آپ بیتی

محمد امداد الرحمٰن صدیقی

پیش لفظ

خاکسار کو ستمبر 1974ء میں پاکستان میں اسیر راہ مولیٰ ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مکرم مولانا دوست محمد شاہد (مرحوم و مغفور) مصنف تاریخ احمدیت کی فرمائش پر خاکسار نے شاہی قلعہ لاہور کے قید خانہ کے واقعات لکھے۔ اس زمانہ میں مکرم نصیر احمد صاحب قمر نے تاریخ احمدیت کو دینے کیلئے اس تحریر کو درست کر دیا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے بار بار خیال آتا رہا ہے کہ مجھ پر خدا تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے۔ خود بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہونے کی توفیق پانا خدا تعالیٰ کی اتنی بڑی مہربانی اور اتنا بڑا انعام ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں ہو سکتا۔ اگر جیل کے واقعات شائع کروائے جائیں تو غالباً قارئین میں سے بہتوں کو فائدہ ہو گا۔

2017ء میں جلسہ سالانہ یوکے میں شرکت کے لئے لندن جاتے ہوئے خاکسار جیل کے واقعات کو ٹائپ کر کے ساتھ لے گیا تھا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں یہ واقعات پیش کئے اور رہنمائی چاہی۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ شفقت اس ناچیز کوشش کو سراہا اور فرمایا

"آپ اگر اپنے واقعات شائع کرنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ اپنا کتابچہ "آپ بیتی" کے عنوان سے یا جو بھی نام رکھنا ہے رکھ کر بنا لیں اور اسے شائع کر دیں۔۔۔" (خط Z-16-08-19)

خاکسار نے یہ مسودہ محترم مولانا نصیر احمد صاحب قمر ایڈیشنل وکیل الاشاعت و ایڈیٹر ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل کو دیا اور اشاعت کے بارے میں مشورہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے اور بھی بہت سے دلچسپ اور ایمان افروز واقعات ہیں وہ بھی تحریر کریں تو ایک اچھی مفید کتاب بن سکتی ہے۔ اس طرح میری یہ "آپ بیتی" تحریر میں آ گئی۔ الحمد للہ۔

خاکسار تمام تحریرات تھوڑی تھوڑی کر کے حضور انور کی خدمت میں ارسال کرتا رہا۔

بعد میں محترم سید مبشر احمد صاحب ایاز پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ نے میری تحریرات کی بڑی حد تک تصحیحات کر کے اردو زبان کو رواں بنایا۔ اس کے بعد محترم نصیر احمد صاحب قمر نے اسے ایڈٹ کر کے کتاب کی شکل دی۔
جزاھم اللہ احسن الجزاء

اس کتاب سے میرا مقصود صرف اس قدر ہے کہ احمدی طلباء کو اور نوجوانوں کو اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق پیدا کرنے کی تحریک ہو اور وہ زندگی وقف کر کے خلیفہ وقت کی خاص دعاؤں کے وارث بنیں۔ اگر خلیفہ وقت کی دعائیں اور پیار مل جائے تو اللہ تعالیٰ کے قرب کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی کا اصل مقصد تو تعلق باللہ اور قرب الٰہی ہی ہے۔
امید ہے کہ یہ مختصر سی آپ بیتی اس عاجز کے لئے اور میری فیملی کے لئے دعاؤں کی تحریک کا بھی موجب ہو گی۔
اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف فرمائے اور رحم فرمائے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین

فہرست مضامین

جائے پیدائش اور ولدیت

نام: محمد امداد الرحمٰن صدیقی ولد لطف الرحمٰن مرحوم ولد عباس الدین مرحوم۔ تاریخ پیدائش 7 اپریل بروز جمعۃ المبارک 1950، والدہ مرحومہ رابعہ رحمٰن، نانا جان عبد الرحمٰن سرکار۔ پاسپورٹ میں تاریخ پیدائش 1951/03/31، جائے پیدائش آلائی پورAlaipur۔ تھانہ charghat۔ موجودہ تھانہ Bagha، ضلع Rajshahi بنگلہ دیش۔

ہمارا گھر بالکل دریائےPadma کے کنارہ پر، راجشاہی شہر سے قریباً 25 میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔ ہم نے بچپن میں دریائےPadma میں تیراکی سیکھی تھی۔ اس زمانہ میں دریائےPadma بہت بڑا اور بہت ہی خطرناک دریا تھا۔

Alaipur پرائمری سکول میں تیسری کلاس تک پڑھائی کی۔ اس کے بعد میرے ماموں عبد السبحان سرکار دادپور گڑگڑی پرائمری سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔وہ مجھے اپنے گھر لے گئے اور اپنے سکول میں داخل کر لیا۔ یہاں سے پانچویں کلاس پاس کر کے 1963ء میںArani M.M. High School میں چھٹی کلاس میں داخلہ لیا۔ ہم سب بہن بھائیوں نے اسی ہائی سکول سے میٹرک پاس کیا ہے۔اس زمانہ میں Arani تجارتی و کاروباری مرکز تھا۔ دور دور سے لوگ آتے تھے۔ارد گرد کے علاقہ میں Arani ہائی سکول اعلیٰ تعلیمی معیار کے لحاظ سے شہرت رکھتا تھا۔

میں کس طرح احمدی ہوا اور کیوں

ساتویں کلاس میں تھا کہ مکرم سراج بھائی نے احمدیت کا پیغام سنایا تھا۔ لیکن میں نے توجہ نہ کی۔ جب آٹھویں کلاس میں تھا تو میرے کلاس فیلو لقمان علی نے احمدیت کی تبلیغ شروع کی۔ اس کے ساتھ ایک اور کلاس فیلو حبیب الرحمٰن مرحوم نے بھی تبلیغ میں حصہ لیا تھا۔ سراج بھائی، لقمان علی اور حبیب الرحمٰن اڑانی شہر سے دو کلومیٹر شمال میں اپنے گاؤں کُشاباڑیہ کے رہنے والے ہیں۔

سراج بھائی مرحوم کا ذکر خیر یہ ہے کہ اس گاؤں میں حبیب الرحمٰن صاحب کے بڑے بھائی قاسم صاحب ہیڈ ماسٹر معزز آدمی تھے۔ انہوں نے بیعت کی تو کئی دوستوں نے بیعت کی۔ لیکن مخالفت کی وجہ سے اکثر پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن یہ تینوں احمدی احمدیت پر قائم رہے۔ سراج بھائی ان پڑھ تھے، گھر والوں نے ان کو گھر سے نکال دیا تھا۔ مجبوراً حجامت بنانے کا کام شروع کیا تھا۔ وہ انتہائی غریب تھے۔ نہایت تنگی سے گزر اوقات کرتے تھے۔ مگر بہت پکے داعی الی اللہ تھے۔ یہ کہنا مناسب ہے کہ وہ ہر وقت تبلیغ کرتے تھے۔ جب فوت ہوئے تو ان کی نماز جنازہ میں سارے گاؤں کے لوگ شامل ہوئے اور احمدی معلم عبدالرحمٰن رانو صاحب کے پیچھے نماز جنازہ ادا کی۔ سبحان اللہ۔

سراج بھائی، لقمان علی اور حبیب الرحمٰن کی کوشش سے ایک روز ہم مسجد احمدیہ کافوریہ میں جمعہ کی نماز پڑھنے گئے۔ کچھ عرصہ بعد اپریل 1966ء میں خاکسار نے احمدیت قبول کی۔ الحمدللہ۔ اس وقت مَیں نویں جماعت میں تھا۔

احمدیت کا پیغام اور قبول احمدیت

پہلی بات: میں قرآن شریف نہیں پڑھ سکتا تھا۔ عربی نہیں جانتا تھا۔ احمدیت سے متعلق کچھ چھوٹی چھوٹی کتابیں پڑھی تھیں۔ اس میں قرآن شریف اور حدیث کے حوالے دیئے ہوئے تھے۔ احمدی لوگ کہتے تھے کہ احمدیت سچی ہے اور غیر احمدی کہتے تھے کہ احمدی کافر ہیں۔ قرآنی آیات کے حوالے احمدی کتابوں میں دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ انکار کرنا مناسب نہیں۔

میں تحقیق کر کے معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ سچائی کیا ہے۔ میرے دل میں آیا کہ اگر احمدیت میں داخل ہو جاؤں تو سچائی معلوم ہو جائے گی۔ جس طرح کسی مکان میں داخل ہوئے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا کہ مکان کے اندر کیا کیا ہے۔ احمدی ہو جاؤں تو معلوم ہو جائے گا۔ اگر دیکھوں کہ کوئی حقیقت نہیں ہے تو احمدیت چھوڑ دوں گا۔ اگر احمدیت سچی ہوئی تو الحمدللہ۔

احمدی لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں اسلام کی تبلیغ ان کا مقصد ہے۔ تبلیغ اسلام تو بہر حال اچھی بات ہے۔ بیرونی ملکوں میں احمدی مبلغین تبلیغی مراکز قائم کر کے اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ غیر مسلم قوموں میں سے لوگ احمدیت قبول کر رہے ہیں۔ یہ تو اچھی بات ہے۔ چنانچہ احمدیت قبول کرنی چاہیئے۔ باقی رہا سوال کہ احمدی لوگ کافر ہیں۔ معلوم نہیں مسلمان ہیں یا نہیں۔

سوال یہ ہے کہ میَں پہلے کونسا اچھا مسلمان ہوں۔ نماز پڑھنا چھوڑ رہا ہوں۔ دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کامیابی نہیں ہوئی۔

علماء تقریریں کرتے تھے۔ میں غور سے سنتا تھا۔ مولوی صاحبان کی تقریروں میں بہت سارے اختلافات تھے۔ بہت سے سوالات کے جوابات نہیں ملتے تھے اس لئے میں دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا۔

دو سوالوں نے مجھے کافی پریشان کر رکھا تھا۔(1) قبر میں عذاب لازمی ہے۔ قبر میں عذاب ضرور ہوگا۔ اب سوال یہ تھا کہ جو لوگ حضرت آدمؑ کے زمانہ میں فوت ہوئے اور جو لوگ قیامت کے تھوڑے دن پہلے فوت ہوں گے ان کا عذاب تو برابر نہیں ہوگا۔ یہ کیسا انصاف ہے؟ کوئی جواب نہیں دیا جاتا تھا۔

دوسرا سوال: بیان کیا گیا کہ حضرت رابعہ بصری یا حسن بصریؒ کی بزرگی کا واقعہ ہے۔ جب وہ بزرگ فوت ہونے لگے تو وہ بہت رو رہے تھے۔ مریدوں نے پوچھا حضور آپ روتے کیوں ہیں؟ آپ اولیاء کرام میں سے ہیں۔ بزرگ نے کہا کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کس مٹی سے پیدا کیا گیا ہوں؟ اللہ تعالی نے جب انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو عزرائیل سے کہا کہ دنیا سے مٹی لے کر آؤ۔ عزرائیل نے اپنے دو ہاتھوں میں دو مُٹھی مٹّی لا کر خدا کو دی۔ خدا نے جس سے انسان کو پیدا کیا۔ عزرائیل کے دائیں ہاتھ میں جو مٹی تھی اس میں سے جو انسان پیدا ہوئے وہ جنّتی ہیں اور جو لوگ بائیں ہاتھ والی مٹی سے پیدا ہوئے وہ جہنمی ہیں۔ مجھے تو معلوم نہیں کہ میں کس مٹی سے ہوں۔

خاکسار کو شدید پریشانی لاحق تھی کہ پھر عبادات، نماز، روزہ سے کیا حاصل ؟ اور میرا تو ویسے ہی نماز پڑھنے میں دل نہیں لگتا تھا۔ نماز پڑھنا تو بچپن میں شروع کیا تھا، لیکن دل نہیں لگتا تھا۔ اپنی طرف سے سوچ لیا کہ اوپر والی باتوں اور مسائل کا حل یہ ہے کہ اگر میں جنتی ہوا تو حضرت عمرؓ کی طرح اللہ تعالیٰ نیکی کی توفیق دے گا۔ جہنمی ہوا تو برے کام کرتا رہوں گا۔

دینی تعلیم حاصل کرنے کی شدید خواہش تھی میں نے بہت کوشش کی کہ کسی مدرسہ میں داخل ہو جاؤں۔ ایک دفعہ گرمیوں کی رخصت کے ایام میں کسی کو بتائے بغیر راجشاہی سے مغرب میں نو گاں شہر میں بذریعہ ٹرین چلا گیا۔ وہاں کے ایک مولوی صاحب کی تقریر مجھے بہت پسند آئی تھی۔ جا کر دیکھا کہ مدرسہ گرمیوں کی رخصت کی وجہ سے بند ہے۔ پتا نہیں کب کھلے گا وہ ریل کا آخری اسٹیشن تھا۔ میں جس ٹرین سے اترا تھا وہ ٹرین واپس چلی گئی تھی۔ رات کو کہاں جاؤں ؟

ایک ہوٹل والے کو کہا کہ میں نوکری تلاش کر رہا ہوں۔ کھانا اور رہائش دے کر مجھے ملازم رکھ لو۔ دل میں تھا کہ جب مدرسہ کھلے گا تو داخل ہو جاؤں گا۔ ہوٹل مینجر نے کہا کہ لگتا ہے کہ تو شریف گھرانے سے ہے۔ گھر والوں سے ناراض ہو کر آیا ہے۔ تو نوکری نہیں کر سکتا۔ آج رات یہاں رہو صبح ٹرین آئے گی تم واپس گھر چلے جانا۔ چنانچہ میں واپس آ گیا۔

اپنے Arani ہائی سکول کے مولوی صاحب اسلامیات کے ٹیچر نوا کھالی ضلع سے آئے تھے۔ سنا تھا کہ نوا کھالی میں بہت سے بڑے بڑے مدرسے ہیں۔ میں نے مولوی

صاحب سے کہا کہ مجھے کسی اچھے مدرسہ میں داخل کروادیں۔ تعلیم کے بعد مَیں نوکری کر کے مدرسہ میں پڑھنے کے جو اخراجات ہوں گے وہ واپس کر دوں گا۔ میں مولوی نہیں بنوں گا۔ فی الحال تو والدین مدرسہ میں پڑھنے کی مخالفت کر رہے ہیں۔ میں تو چھپ کر جانا چاہتا ہوں۔ مولوی صاحب راضی نہیں ہوئے۔ کہا کہ مدرسوں کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ مولوی صاحب نے خود اپنے بھتیجے کو مدرسہ سے ہٹا کر ہمارے سکول میں داخل کروایا ہوا تھا۔ مولوی صاحب کا بھتیجا روح الامین میرا دوست تھا۔ اس نے مجھے نوا کھالی کے مدرسوں کے اندر کی ظلمت اور پردہ کے پیچھے کی کہانیاں سنائیں تھیں۔ میرے دو بڑے بھائی پاکستانی فوج میں کپٹین تھے۔ میں نے ان کو لکھا تھا کہ میں مدرسہ میں پڑھنا چاہتا ہوں۔ بھائی نے لکھا کہ چھٹیوں میں آکر اچھا مدرسہ دیکھ کر داخل کروا دیں گے۔ لیکن والد صاحب کو لکھا اس کو سمجھاؤ کوئی مولوی اس کو خراب کر رہا ہے۔ ہم تو اس کو اپنی طرح فوجی افسر بنانا چاہتے ہیں۔ مولوی نہیں بنانا۔ مولوی تو دوسروں کی روٹیوں پر پلتے ہیں اور گزر اوقات کرتے ہیں۔

کیڈیٹ کالج میں داخلہ کی کوشش اور ناکامی

خاکسار نے جب کلاس Seven پاس کی تو ایوب کیڈٹ کالج Rajshahi شروع ہو رہا تھا۔ بڑے دونوں بھائی پاکستانی فوج میں کپٹین تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں بھی فوج میں جانے کی تیاری کروں۔ چنانچہ راجشاہی کیڈٹ کالج میں داخل ہونے کی غرض سے میں نے داخلہ ٹیسٹ پاس کیا لیکن Viva میں کہا گیا کہ عمر کے لحاظ سے تم کلاس Seven

میں آسکتے ہو لیکن قد لمبا ہے اس لئے تم کو داخلہ نہیں مل سکتا۔ اصل میں میری عمر سکول سرٹیفکیٹ میں کم تھی اور میں نے جب آٹھویں جماعت میں ہونا تھا تب کیڈٹ کالج میں ساتویں کلاس کے لئے انٹرویو دیا تھا۔

دوسری بات: میرے دل میں خدا کی تلاش چھپی ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں کیسے یہ سب کچھ ہوا غور نہیں کیا۔ بعد کے زمانہ میں مربی سلسلہ کے طور پر کام کر رہا تھا اور غور کرتا رہا کہ احمدیت کیوں ملی۔ جامعہ میں کیسے آنا ہوا۔ تب معلوم ہوا کہ شاید اصل بات یہ تھی کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے بارہ میں علم حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن ہر طرف سے ناکامی کے بعد نماز چھوڑ دی تھی۔ والدہ صاحبہ نے ایک دفعہ پوچھا کہ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا کہ مرنے کے بعد خدا سے کہوں گا کہ آپ نے مجھے مدرسہ میں تعلیم کا موقع نہیں دیا اس لئے نماز چھوڑ دی۔ دل میں بزرگ رابعہ بصریؒ کے واقعہ کی یاد تھی کہ کس مٹی سے پیدا کیا گیا ہوں۔ ایسے وقت میں احمدیت آئی تو میرے لئے یہ سوال اہم نہ تھا کہ احمدی ہونے سے کافر ہو جاؤں گا۔ پہلے کون سا ایماندار ہوں۔ میرا ایمان کیسا ہے کہ جو احمدی ہوا تو میرا ایمان ضائع ہو جائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا۔ اگر احمدی نہ ہوتا تو کب کا برباد ہو گیا ہوتا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

میں کیوں کہتا ہوں کہ دل میں خدا کی تلاش تھی؟ ایک دو واقعات کا ذکر کرتا ہوں۔ میں بہت چھوٹا تھا شدید طوفان اور جھکّڑ آتے تو والد صاحب گھر کے برآمدے میں کھڑے ہو کر اذانیں دیتے تھے تا جھکڑ گھر کو اڑا کر نہ لے جائے۔ میں حیران ہوتا کہ اذان سن کر خدا گھر کی حفاظت کرے گا۔ یہ کیسی بات ہے۔ خدا کیا کرتا ہے۔ پھر خیال

آتا کہ شاید گھر کے کھمبے لوہے کے ہوں اور زمین کے بہت نیچے گاڑے جائیں تو گھر نہیں گرے گا۔ پھر خیال آتا کہ نہیں بھونچال یا زلزلہ آئے تو وہ بھی گر سکتا ہے۔ پھر مزید سوچنے کے قابل نہ رہتا۔ پھر خیال آتا کہ خدا کا پتا لگانا چاہیئے۔

شاید لوگ میری باتوں سے ہنسیں گے۔ لیکن مجھے اب بھی یاد کر کے رونا آتا ہے۔ اگر خدا کی تلاش نہ ہوتی تو فوجی افسر بننے کی بجائے عربی یعنی قرآن سیکھنے کیلئے میں والدین سے چھپ کر مدرسہ کی تعلیم کیلئے بیقرار کیوں ہوا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا۔ خدا جانتا تھا۔ خدا نے احسان فرمایا کہ مجھے جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع دیا۔ میرے نزدیک یہ اتنا بڑا احسان ہے جس کا کوئی بدلہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علم کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ تبلیغِ اسلام کا کام تو خدا کا زائد فضل ہے۔ جامعہ میں علم حاصل کرنے کا موقع ملنا خدا کا اتنا بڑا فضل ہے کہ شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ الحمد للہ۔ جماعت احمدیہ پر خدا کا فضل ہے کہ یہاں احمدی نوجوانوں کیلئے خلیفۂ وقت کی نگرانی میں جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرنے اور اسکے بعد خدمت دین کے بہترین مواقع دیئے جاتے ہیں۔

جامعہ احمدیہ ربوہ میں تعلیم اور تربیت کا موقع تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خاص توجہ اور دعا اور اس کے ساتھ ہی بزرگ اساتذہ کرام کے اعلیٰ اخلاق، احسن رنگ میں تربیت اور دعا، اساتذہ کرام کے اخلاق اور طرزِ تعلیم اور تربیت بھی بہت اہمیت کی حامل ہیں جو کہیں اَور نہیں مل سکتی۔

احمدیت سے پہلے کی ایک اور بات کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اڑانی ہائی سکول تو شہر میں واقع تھا۔ Panch Para گاؤں میں ایک زمیندار حبیب الرحمٰن صاحب کے گھر خاکسار رہتا تھا۔ اس زمانہ میں ہمارے علاقہ میں یہ رواج تھا کہ زمیندار لوگ اپنے گھر میں ایسے طالب علم کو رکھتے تھے۔ زمیندار اپنے کاروبار میں مصروف رہتے تھے اور انکے بچوں کی تعلیم اور پڑھائی کی نگرانی کرنا اس طالب علم کے ذمہ ہوتا تھا۔ مَیں ان کے بچوں کو پڑھاتا تھا۔

ساتھ والے گاؤں میں میرا ایک کلاس فیلو ضمیر الدین رہتا تھا جو نمازی اور مذہبی قسم کا آدمی تھا۔ میرے دوست ضمیر الدین نے مجھے کہا کہ فلاں تاریخ کو "شب برات" ہے یعنی اس رات کو تقدیر لکھی جاتی ہے۔ ساری رات نمازیں پڑھنی ہوتی ہیں۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ اس کے گاؤں چلا گیا اور ساری رات نوافل پڑھتا رہا۔ مسجد میں ہر آدمی اپنی اپنی نماز پڑھتا رہا۔

واقعہ یہ ہے کہ بچپن میں چھوٹی عمر سے نمازیں پڑھتا رہا۔ لیکن عام طور پر چھپ کر کیونکہ میری عمر کے بچے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ کوئی دیکھے گا تو ہنسی کرے گا کہ اتنا چھوٹا بچہ نماز پڑھتا ہے۔

لیکن یہ بھی ہے کہ کلاس Seven میں مَیں نے اور چند ساتھیوں نے مل کر مولوی صاب سے کہا اور مولوی صاحب نے ہیڈ ماسٹر سے کہا اور ایک کمرہ مخصوص کیا گیا جہاں ہم وقفہ میں ظہر کی نماز پڑھنے لگے۔ مشکل یہ آئی کہ مولوی صاحب نے کہا کہ ہاف پینٹ half Pent پہن کر نماز نہیں ہوتی فل پینٹ یا پاجامہ پہننا ہو گا۔ مجھے سخت

افسوس ہوا مجھے half Pent پہننا بہت ہی پسند تھا جو چھوڑنی پڑی۔اس زمانہ میں ساتویں، آٹھویں کلاس تک توہاف پینٹ پہن کر سکول جاسکتے تھے۔

ربوہ جانا کیسے ممکن ہوا

اب یہ ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ میرے جیسے نالائق اور اکیلے نو مبائع کیلئے ربوہ جانا کیسے ممکن ہوا۔ مجھے کہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خود اٹھا کر ربوہ پہنچا دیا۔ سبحان اللہ۔ اللہ اکبر۔

اپریل 1966ء میں احمدی ہونے کے فوراً بعد میرے دو بڑے بھائیوں کو جو مغربی پاکستان میں فوج میں کپٹین تھے لکھ دیا کہ میَں احمدی ہو گیا ہوں آپ جلدی معلومات حاصل کریں اور احمدی ہو جائیں۔ مجھے یقین تھا وہ بہت نیک انسان ہیں پاکستان میں بہت احمدی ہیں وہ احمدی ہو جائیں گے۔ یہ معلوم نہ تھا کہ پاکستان میں مخالفت بھی بہت تھی۔ چنانچہ بڑے بھائی کپٹین عزیز الرحمٰن صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسرے بھائی کپٹین انیس الرحمٰن صاحب نے لکھا فوراًاحمدیت چھوڑ دوورنہ اخراجات بند کر دیں گے۔ تیسرے بھائی شمس الرحمٰن صاحب میرے قریب تھے۔اوپر کی کلاس میں پڑھتے تھے۔اس نے کہا احمدیت کے بارے میں خاموش ہو جاؤ۔ پڑھائی کے بعد اپنے پا ؤں پر کھڑے ہو کر جو کرنا چاہو کرنا۔ آڑانی میں کوئی احمدی جماعت نہیں تھی کوئی جانتا بھی نہیں تھا کہ احمدیت کیا ہے۔ ہم تین احمدی تھے۔ ہم کبھی کبھی جمعہ کے روز صبح صبح جمعہ کے لئے کافوریہ چلے جاتے تھے۔شام کے بعد واپس آتے تھے۔ آڑانی سے کافوریہ کم

وبیش 8 کلومیٹر دور تھا۔ کوئی سڑک نہیں تھی۔ کھیتوں کے کناروں پر چل کر جانا پڑتا تھا، اب تو پکی سڑک ہے۔ صبح صبح روانہ ہوتے۔ کافوریہ جا کر مسجد میں کچھ کتابیں پڑھتے، دوستوں سے باتیں کرتے۔ شام کے بعد واپس آتے تاکہ مخالفین شور وغل نہ کریں۔

ایک روز ایک کتابچہ کے cover page پر اعلان پڑھا کہ نوجوان اپنی زندگیاں وقف کریں۔ تبلیغ اسلام کیلئے زندگی وقف کریں۔ میں نے احمدیوں سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ انہوں نے بتایا کہ زندگی وقف کرنا ہوتا ہے۔ ربوہ جاکر جامعہ میں داخل ہو کر تعلیم وتربیت لے کر جامعہ پاس کرنا ہوتا ہے۔ پھر مبلغ بنتے ہیں۔ مبلغین کو دنیا کے کسی بھی مقام پر بھیجا جاسکتا ہے۔

میں نے کہا کہ میں جانا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ نہ جائیں امیر صاحب آپ کو بھیجیں گے بھی نہیں کیونکہ بہت مشکل ہے۔ جو ناکام ہو کر واپس آتے ہیں انکی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ جو ان دنوں ربوہ میں پڑھ رہے ہیں ان کے والد صاحب ہر سال جلسہ سالانہ پر ربوہ جا کر سمجھا بوجھا کر آتے ہیں۔ اردو زبان مشکل ہے۔ میں نے جتنی دفعہ جامعہ میں جانے کی بات کی ہر دفعہ ہر ایک نے منع کیا۔ مجھے اندر ہی اندر ضد پیدا ہو گئی کہ پاکستانی لوگ مبلغ بن سکتے ہیں تو میَں کیوں نہیں بن سکتا۔ جو مبلغ بنتے ہیں وہ معلوم نہیں کیسے عظیم لوگ ہوتے ہیں، دیکھنا چاہیئے۔

میں نے پوچھا کہ کیا کروں کس طرح جاسکتا ہوں۔ صدر صاحب نے کہا کہ امیر صاحب کو لکھتے رہیں اگر امیر صاحب چاہیں تو بھجوا سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے امیر صاحب کو لکھنا شروع کیا۔

کافوریہ کے علاوہ قریب کی جماعت ناٹور بھی کبھی کبھی جاتے تھے۔ کیونکہ کافوریہ میں جو احمدیت پھیلی وہ ناٹور سے ایک نوجوان ممتاز علی صاحب وہاں پڑھنے گئے تھے۔ وہ احمدی ہو کر آئے اور احمدیت کو پھیلایا۔ کُشاباڑیہ کے ہیڈ ماسٹر قاسم صاحب بھی ناٹور پڑھنے گئے تھے وہاں سے احمدی ہو کر آئے تھے۔ اور اپنے گاؤں میں احمدیت پھیلانے کی کوشش کرتے رہے۔

ایک روز جب ہم ناٹور گئے تو وہاں ایک بزرگ دوست یعنی آفتاب الدین صاحب جو بڑے بھائی کی طرح تھے بہت محبت کرنے والے تھے۔ آپ اپنے گاؤں میں پہلے احمدی تھے۔ بہت ہی پیارے انسان تھے۔ آفتاب الدین صاحب نے کہا آپ ربوہ نہ جائیں۔ کامیاب نہ ہوگے تو زندگی برباد ہو جائے گی۔ مولانا محب اللہ صاحب کے بیٹے محمود احمد ربوہ میں ہیں۔ وہ رو رہا ہے کہتا ہے کہ نہیں رہ سکتا۔ واپس آنا چاہتا ہے۔ ان کے والد صاحب ان کو واپس آنے نہیں دیتے۔

آفتاب الدین صاحب نے مجھے کہا کہ آپ اگر راضی ہیں تو سوچ کر دیکھیں اور میری بڑی بیٹی سے شادی کریں ہمارے گھر میں رہیں کالج میں پڑھائی کریں (بعد میں شادی ہوگی)۔ ہم ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ بہت بے تکلف تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں نے ربوہ ضرور جانا ہے، آپ کی تین بیٹیوں میں سے سب سے چھوٹی بیٹی سے ہم

شادی کریں گے، مبلغ بننے کے بعد۔ انہوں نے کہا کہ آپ تو بوڑھے ہو کر آئیں گے اس وقت تک میری سب سے چھوٹی بیٹی کی بھی شادی ہو چکی ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ وہ نیک اور ہوشیار آدمی تھے۔ انہوں نے جلدی جلدی بیٹیوں کی شادی کر دی تھی۔ ان کی بڑی بیٹی کی شادی کیلئے مجھے ربوہ سے ساڑھی خرید کر بھجوانا پڑی تھی۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ ربوہ کی ساڑھی ہو۔ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس زمانہ میں ہم سب احمدی ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ بہت بے تکلف تھے اور ہم قریباً سب ہی نومبائعین تھے کچھ نئے کچھ پرانے۔

خدا تعالیٰ انسان سے کلام کرتا ہے

خاکسار احمدی ہونے کے بعد چھپ چھپ کر احمدیت کی کتابیں پڑھتا تھا۔ احمدیوں نے کہا تھا کہ جس نے کتاب کشتی نوح نہیں پڑھی وہ ابھی احمدی نہیں ہوا۔ کشتی نوح پڑھنے لگا۔ مجھے بہت حیرانی ہوئی، بہت تعجب ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا کہ خدا انسان سے کلام کرتا ہے۔ کسی بھی انسان سے خدا کلام کر سکتا ہے۔ مجھے یاد ہے جب پڑھ رہا تھا تو اس دن سکول نہیں گیا تھا۔ جب پڑھا تو فوراً اٹھ کھڑا ہوا کہ ابھی سکول جا کر مولوی صاحب کو دکھاؤں کہ یہ کیا لکھا ہے۔ گھر سے نکلا بھی۔ پھر خیال آیا کہ پتہ نہیں مولوی صاحب کیا کہیں گے۔ پھر سوچا کہ میں کسی کو نہ بتاؤں۔ بہت فکر مند ہوا کہ لوگ کیوں خدا سے بات کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس سے زیادہ اہم بات کیا ہو سکتی ہے کہ خدا بندوں سے کلام کرتا ہے۔ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ خدا سے کلام کرنے

کی کوشش کرے۔ آج بھی میں تعجب کرتا ہوں کہ لوگ کیوں خدا سے کلام کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

آہستہ آہستہ سوچتا رہا کہ خدا سے بات کرنا تو بڑی بات ہے۔ تیاری کرنی ہو گی کیا بات کروں۔ ہر روز تو خدا بات نہیں کرے گا۔ کوئی اہم ترین بات خدا سے کر لینی چاہیئے۔

جب سب نے کہا کہ ربوہ جا کر کامیابی بہت مشکل ہے۔ اگر ناکام رہا تو زندگی برباد ہو سکتی ہے۔ تو میں نے سوچا کہ خدا سے کیوں نہ پوچھ لیا جائے کہ ربوہ جاؤں یا نہ جاؤں۔ میٹرک کا امتحان دے کر فارغ تھا۔

اب خدا سے بات کرنی ہے۔ مجھے کیا کرنا ہو گا۔ کسی سے میں نے نہیں پوچھا۔ اپنی طرف سے سوچ لیا کہ روزے رکھنے چاہئیں۔ چنانچہ روزے رکھنا شروع کئے اور رات کو بالکل صاف ستھرا بستر اور خوشبو کا استعمال کیا۔ دو روزے رکھ لئے تیسرے روزے کیلئے سحری کے وقت جب جاگ آئی تو توجہ ہوئی کہ جب میری نیند ٹوٹ رہی تھی تو میری زبان پر یہ آیت تھی"أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ "مجھے یہ آیت یاد نہیں تھی۔ کسی سے سنا تھا کہ سورۃ البقرہ کا آخری رکوع پڑھ کر رات کو سونا ہوتا ہے۔ تو ان دنوں آخری رکوع یاد کرنا شروع کر دیا۔ سحری کھا کر روزہ رکھ لیا اور صبح قرآن شریف نکال کر یہ آیت دیکھی اور ترجمہ دیکھا تو ترجمہ یہ تھا "تو ہمارا ولی ہے۔ پس کافر قوم کے خلاف ہماری مدد کر"۔ اس سے میں نے نتیجہ اخذ کیا کہ غالباً اس میں اشارہ کیا گیا کہ میں مبلغ بن سکوں گا۔ اگرچہ میں ڈرنے لگا کہ میں نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ درست ہے یا نہیں تا

ہم میں نے ارادہ کر لیا کہ ربوہ جانے کی کوشش ضرور کروں گا۔ اتنے میں میٹرک کا نتیجہ آیا اور اچھے نمبروں سے کامیاب ہو گیا۔ الحمدللہ

محترم مولوی محمد صاحب امیر مشرقی پاکستان کو لکھتا رہا۔ آخر ایک روز ربوہ سے اردو زبان کا ایک فارم بذریعہ ڈاک میرے نام کافوریہ جماعت کے پتہ پر موصول ہوا۔ قسمت اچھی تھی اس زمانہ میں کافوریہ جماعت میں مولوی حمزہ امیر علی صاحب معلم متعین تھے۔ وہ ربوہ سے تعلیم وتربیت لے کر آئے تھے۔ اردو سمجھتے تھے۔ انہوں نے فارم Fill کر کے ربوہ تحریک جدید بھجوادیا۔

اب جواب کا شدت سے انتظار کرنے لگا۔ مگر جواب نہیں آیا۔ میرے والدین، بھائی بار بار پوچھنے لگے کہ کالج میں داخل ہونے میں کیوں دیر کر رہے ہو۔ میرے دوست بہت تنگ کرنے لگے کہ بتاؤ کس کالج میں داخلہ لے رہے ہو۔

میں نے ربوہ جانے کے بارہ میں کسی کو نہیں بتایا تھا۔ کیونکہ اگر والدین اور بھائیوں کو معلوم ہو جاتا تو جانے نہ دیتے۔ اس لئے میں بتا نہیں سکتا تھا کہ کالج میں داخل ہونے میں کیوں دیر کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاکسار اور ہم بہن بھائیوں کی اچھے اخلاق کی وجہ سے نیک نامی تھی۔ ہم غریب تھے۔ والد صاحب کا نہایت سخت حکم تھا کہ بدنامی کی کوئی بات ہم سے سرزد نہ ہو۔

ایک دفعہ لڑکوں نے اتفاق کیا کہ سکول میں student union ہونی چاہیے۔ چنانچہ ایک روز انتخاب کروایا گیا اور خاکسار کو union کا جنرل سیکرٹری بنایا گیا۔ ایک دفعہ فتنہ ہوا تو ہم نے اسکول ہڑتال کر دی۔ کوئی طالب علم کلاس میں نہیں جا سکتا

تھا۔ ہمارا مطالبہ تھا کہ ہیڈماسٹر کو ہٹانا ہے ۔ بالآخر علاقہ کے قومی اسمبلی کے ممبر مکرم اے -ایس-ایم قمر الزمان صاحب آئے ۔ ہمیں سمجھا بوجھا کر ہڑتال ختم کروائی۔ مکرم قمر الزمان صاحب بابائے قوم شیخ مجیب الرحمان کی کیبنٹ میں منسٹر رہے۔

سب مجھے تلاش کر رہے تھے ۔ میں چھپتا تھا کہ کیا جواب دوں ۔ کب کالج میں داخلہ لوں گا ۔ ربوہ جانے کی بات زبان پر نہیں لا سکتا تھا۔ ایک آسانی یہ تھی کہ میں تو اپنے گاؤں سے دور lodging house میں رہتا تھا۔ بعد دوپہر سب لوگ آڑانی بازار میں جاتے تھے ۔ ہم بھی ہر روز جاتے تھے ۔ اب جانا بند کر دیا تھا۔ کھیتوں میں یا اِدھر اُدھر گاؤں میں چلتے پھرتے تھے۔ سب کو معلوم تھا کہ کالج میں داخلہ لینے والا ہوں۔

نمازیں بہت پڑھتا تھا۔ دعائیں بہت کرتا تھا۔ رات کو نمازیں پڑھتا تھا۔ کچھ دن تو رات ایک بجے یا دو بجے اندھیرے میں مسجد میں جا کر نمازیں پڑھنا شروع کیا۔ اس علاقہ میں بجلی نہیں تھی۔ مٹی کے تیل کے لیمپ کا دیا(lamp) جلاتے تھے۔ مسجد گاؤں سے باہر تھی۔ ایک روز کسی نے اتنی گہری رات کو مسجد میں lamp جلتے دیکھ کر گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا کر کے مسجد کا گھیراؤ کر لیا۔ انہوں نے خیال کیا کہ چور وغیرہ ہو گا۔ مسجد کے اندر آکر دیکھا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں تو سب حیران ہوئے کہ یہ کیا بات ہے۔ نوجوان ہے۔ اتنی رات کو مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے۔ اس کے بعد مسجد میں جانا بند کر دیا۔

آخر کالج میں داخل ہونا پڑا کیونکہ داخلہ کی آخری تاریخ آگئی تھی ۔ چنانچہ پانچ روز کالج میں کلاس لی تھی۔ اس کے بعد ربوہ جانے کیلئے call آگئی۔

نئی جماعت کا قیام

ایک اور واقعہ یہ ہوا کہ میں عام طور پر دوستوں کے سوالات کے ڈر سے شہر میں نہیں آتا تھا۔ ایک روز کسی وجہ سے شہر میں آیا۔ اسی روز میرے پرائمری سکول کے زمانہ کے دوست جِنّات علی صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ وہ کہنے لگے کہ سنا ہے تو پاگل ہو گیا ہے۔ کسی سے ملتا نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ اگر میں کہوں پاگل نہیں ہوں تو تجھے تسلی نہیں ہو گی۔ تو سمجھ لے کہ میں پاگل ہو گیا ہوں۔ تو ایسا کر کہ مجھے بتا آئندہ کب بازار آئے گا۔ میں تجھے کچھ کتابیں دوں گا۔ تو چھپا کر رکھنا اور چھپ چھپ کر پڑھنا۔ چنانچہ اگلے روز میرے پاس جماعت کی جو کتابیں تھیں سب میں نے اس کو دے دیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ 1975ء میں میرے پرائمری سکول کے کلاس فیلوز میں سے 8(آٹھ) نے احمدیت قبول کی اور علاقہ Bagha ضلع Rajshahi میں نئی جماعت قائم ہو گئی۔ الحمد للہ۔ جماعت کا نام طاہر آباد رکھا گیا۔ 1976ء میں ایک معلم مولوی عبدالمنان صاحب نے مجھے خط لکھا کہ یہاں آپ کے دوستوں نے جماعت قائم کی ہے۔ مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ حضور انورؒ کو لکھا۔ حضورؒ بھی بہت خوش ہوئے۔

ربوہ جانے کا پختہ عزم

میں نے ایک خطرناک قدم اٹھالیا۔ دل میں خیال آیا کہ خدا کی خاطر نفس کو مشکل میں ڈالنا چاہیئے۔ طارق بن زیاد کی طرح کشتیاں جلادینی چاہیئے۔ میں نے ربوہ

جانے کا ارادہ چھپا کر رکھا تھا کیونکہ اگر والدین کو معلوم ہو جاتا تو وہ مجھے رسی سے باندھ دیتے تا کہ ربوہ نہ جاسکوں۔ میں نے یہ کیا کہ ایک پیکٹ پوسٹ کارڈز کا خریدا۔ اس زمانہ میں پچیس پوسٹ کارڈز کا پیکٹ ہوتا تھا۔ سب عزیز رشتہ داروں کو خط لکھ دیا کہ میں احمدیت کی اعلیٰ تعلیم کے لئے پاکستان جارہاہوں۔ تمام رشتہ داروں کے نام خط پوسٹ کر دیا تا کہ دیکھوں اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے۔ میرے لئے روک بناتا ہے یا ربوہ جانے کی راہ کھولتا ہے۔ اس سے میرے لئے بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ لیکن کسی نے کوئی روک پیدا نہیں کی۔ غالباً والدین اور رشتہ داروں سب نے سوچ لیا ہو گا کہ میں گمراہ ہو گیاہوں۔ اب روک کر کیا کرنا ہے۔ ویسے تو بچپن سے ہمارے گھر میں آزادی تھی۔ کوئی جو اچھا کام کرے تو ٹھیک ہے۔ کسی نے غلط کام نہیں کرنا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ تھوڑے دنوں تک ربوہ جانے کی غرض سے ڈھاکہ جانے کیلئے خط موصول ہو گیا۔ الحمدللہ۔ اس سے اور ایمان مضبوط ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے دعا سن لی اور ربوہ جانے کا موقع بنا دیا۔

اب پھر ربوہ جانے کی باقی باتیں کرتے ہیں۔ ربوہ میں خود فارم Fill کر کے بھجوا دیا تھا۔ مگر جواب کا انتظار تھا۔ میں اکثر کافوریہ مسجد جاتا مگر جواب نہ ملتا تھا۔ اڑانی سے کافوریہ قریباً 8 کلومیٹر تھا۔ راستہ کیا، سارا راستہ چاول کے کھیت تھے جن میں تین چار فٹ گہرا پانی ہوتا۔ چنانچہ پیدل چل کر کافوریہ جانا مشکل تھا مگر میں جاتا تھا۔

ایک روز ہمارے معلم حمزہ امیر علی صاحب نے مجھے بتایا کہ ربوہ میں مجلس انصار اللہ کا سالانہ اجتماع ہو رہا ہے۔ مولوی محمد صاحب ربوہ گئے ہوئے ہیں۔ آپ ربوہ میں امیر صاحب کے نام خط لکھ دیں۔ چنانچہ میں نے خط لکھا کہ امیر صاحب معلوم کریں کیا میرا

ربوہ جانا منظور کرتے ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا امیر صاحب نے ربوہ سے ہی خط لکھا کہ "آپ 14 نومبر 1968ء کو ڈھاکہ پہنچ جائیں۔ ربوہ جانے کی تیاری کر کے آئیں۔" بس پھر کیا تھا، فوراً ایک چھوٹے سے سوٹ کیس میں کپڑے لئے اور اڑانی سے کافوریہ مسجد میں پہنچ گیا۔ اتنی جلدی کیوں کرنا پڑی۔ ڈر تھا کہ کوئی روک نہ بن جائے کیونکہ بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی تھی۔

میں کافوریہ تو پہنچ گیا مگر جیب خالی تھی کیونکہ کالج میں داخلہ لے لیا تھا۔ اب ڈھاکہ جانے کیلئے روپیہ نہیں تھا۔ آج شاید کوئی سمجھ نہ سکے گا کہ کسی احمدی کے پاس روپیہ نہیں تھا۔ مگر ان کے اخلاص اور مجھ سے ہمدردی میں کچھ کمی نہیں تھی مگر وہ مجبور تھے۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ لوگوں کے پاس نقد روپیہ نہیں ہوتا تھا۔ کسی کو نقد روپے کی ضرورت ہوتی تو وہ گھر سے دھان یعنی چاول یا کوئی چیز فروخت کر کے ضرورت پوری کرتا تھا۔ سب احمدی بھائی دعائیں کرنے لگے اور میں بھی رو رو کر دعائیں کرنے لگا کہ روپیہ کا کوئی انتظام ہو جائے۔ ایک روز اس جماعت کے سب سے معمر آدمی، صدر جماعت آثرالدین صاحب کے والد صاحب نے کہا کہ مسجد میں مسجد فنڈ کا بکس ہے۔ بکس میں لوگ روپیہ ڈالتے ہیں۔ اس کا تالا کھولا جائے۔ امداد الرحمان کے ڈھاکہ جانے کے لئے پیسے مل جائیں گے۔ ایسا ہی ہوا بکس میں سترہ روپے (RS 17/-) مل گئے۔ وہ روپے لے کر خاکسار پوچھتے پوچھتے ڈھاکہ پہنچ گیا۔ کافوریہ سے پیدل مین روڈ تک۔ پھر بس پر ناٹور۔ ناٹور سے ٹرین یا بس (یاد نہیں) کے ذریعہ سراج گنج گھاٹ پہنچ گیا اور اس کے بعد

پھر فیری کے ذریعہ دریا Jamuna کے پار جا کر بذریعہ ٹرین ڈھاکہ، 4 بکشی بازار روڈ، دار التبلیغ احمدیہ سینٹر پہنچ گیا۔ قریباً سولہ (16) روپے خرچ ہوئے۔ الحمدللہ۔

میں ڈرتا تھا کہ امیر صاحب کوئی امتحان لیں گے۔ لیکن خدا نے فضل فرمایا۔ امیر صاحب نے کچھ نہیں پوچھا۔ رہنے کا اور قریب ہوٹل میں کھانے کا انتظام کیا۔ امیر صاحب بہت شریف النفس انسان تھے۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ کیا خرچ ہوتا تھا؟ ایک وقت کا کھانا صرف ایک یا ڈیڑھ روپے کا تھا۔ اچھا تسلی بخش مناسب کھانا ہوتا۔ میرے ربوہ جانے کیلئے امیر صاحب نے 300 روپے منظور فرمائے۔ ڈھاکہ سے لاہور پی-آئی-اے پاکستان ائیر لائنز کی فلائٹ کا کرایہ 250 روپے اور لاہور سے ربوہ بذریہ ٹرین ربوہ جانے کیلئے اور دیگر ضروریات کیلئے 50 روپے۔ روپے ملنے پر صابن خرید کر جامہ پاجامہ وغیرہ دھولیا۔ اور تیاری ہوگئی۔ الحمدللہ۔ ڈھاکہ کی مسجد کیا تھی۔ ایک بڑے کمرے کے ساتھ ٹین شیڈ برآمدہ کی طرح اور بس۔ جمعہ پر میرا اندازہ ہے کہ حاضری سو (100) سے کم ہوتی تھی۔

ربوہ کے لئے روانگی

مجھے بتایا گیا کہ سوموار کو میری لاہور کے لیے فلائٹ ہے۔ بہت خوشی ہوئی کیونکہ میری خواہش تھی کہ جمعرات یا سوموار کو میرے جانے کا دن ہو۔ چنانچہ جمعرات کو کافوریہ سے ڈھاکہ اور سوموار کو ڈھاکہ سے لاہور اور پھر ربوہ جانے کا موقع بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی چھوٹی سی خواہش بھی پوری کر دی۔ الحمدللہ۔

18 نومبر ،1968ءبروز سوموار صبح 10:30 بجے فلائٹ تھی ۔چنانچہ دو پہر 1:00 یا1:30 بجے لاہور پہنچ گیا۔ جہاز سے اتر کر P.I.A کی بس کے ذریعہ مال روڈ پر لاہور P.I.A کے آفس تک آیا۔ اس کے بعد تانگہ (گھوڑا گاڑی) پر لاہور سٹیشن پہنچ گیا۔ دو پہر کے بعد 4 بجے لاہور سے سرگودھا جانے والی ریل گاڑی کی ٹکٹ ربوہ جانے کیلئے خرید کر آرام سے بیٹھ کر ٹرین کا انتظار کرنے لگا۔غالباًP.I.A فلائٹ پر جو کھانا دیا تھاوہ میرے لیے کافی ہو گیا تھا یا سٹیشن پر کسی ہوٹل میں کچھ کھایا تھااب یاد نہیں۔ تمام باتیں امیر صاحب نے خود اچھی طرح سمجھا دی تھیں کہ کیا کرنا اور کس طرح کرنا ہے۔ اردو کے 4-3 فقرے جن کی ضرورت تھی وہ بھی یاد کروا دیے تھے ۔ مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ جہاز میں اور ہر جگہ بنگلہ زبان بولنے والے مل جاتے تھے۔

بروقت ربوہ جانے والی ٹرین پر سوار ہو گیا۔ چنانچہ بہت اطمینان ہو گیا کہ اب تو ربوہ پہنچ ہی جاؤں گا۔لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے جو کہ مجھے سمجھ میں نہیں آتی تھی ۔ میں تو باہر دیکھتا رہا۔ حیران ہوا کہ درخت یا باغات نہیں۔ زمین میں کھیتیاں تھیں یاد نہیں۔ کہیں پانی نہیں تھا۔ بنگلہ دیش میں تو ہر طرف بہت زیادہ درخت اور باغات اور قریباًہر طرف ہی پانی نظر آتا ہے۔ زمین کہیں بھی سبزہ سے خالی نہیں۔ پنجاب میں تو تمام زمین ننگی یعنی سفید مٹی تھی۔ کہیں سبزہ نہیں تھا۔ تھوڑے تھوڑے اور چھوٹے چھوٹے درخت وغیرہ تو تھے مگر ہماری نظر میں وہ کچھ نہیں تھے۔

اب رات آگئی تھی۔ اچانک دیکھا کہ لوہے کے Bridge کے اوپر سے ٹرین گزر رہا ہے۔ نیچے دریا ہے اور اوپر سے پکی سڑک پر بس وغیرہ دوڑ رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ ربوہ آگیا ہے۔

راستہ میں ایک فوجی افسر جو سرگودھا جا رہے تھے مجھ سے بنگلہ زبان میں بات کرنے لگے۔ ربوہ کا نام سنتے ہی غصہ سے لال پیلے ہو گئے۔ کہنے لگے کہ تو میرزائی ہے ؟ اور برا بھلا کہنے لگے۔ میں خاموش رہا۔

ربوہ سٹیشن پر ٹرین رکی۔ سٹیشن پر کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ ایک بوڑھے آدمی ملے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہاں جانا ہے ؟ میں نے کہا جامعہ ہوسٹل۔ انہوں نے میرا سوٹ کیس اٹھالیا اور جامعہ کی طرف چل پڑے۔ کچھ دیر چلنے کے بعد ہم جامعہ ہوسٹل پہنچ گئے۔ ابھی مین گیٹ بند نہیں ہوا تھا لیکن عشاء کی نماز ہو چکی تھی۔

ہوسٹل جامعہ احمدیہ میں

ہوسٹل کے برآمدے میں سوٹ کیس رکھا۔ اس آدمی کو کچھ روپیہ دیا اور وہ چلا گیا۔ انہوں نے روپے نہیں مانگے تھے۔ وہ کمرہ مجھے یاد ہے جو کہ اشرف اسحاق صاحب کا تھا جو مولانا انیس الرحمان صاحب بنگالی کے کلاس فیلو تھے۔ انہوں نے جلدی سے انیس الرحمان صاحب کو بلایا۔ عشاء کی نماز ہو چکی تھی۔ کھانا ختم ہو چکا تھا۔ حیدر علی صاحب ظفر، انیس الرحمان صاحب کے کلاس کے First Boy تھے۔ وہ شوقین آدمی تھے۔ ان کے پاس مٹی کے تیل کا اسٹوو تھا۔ انہوں نے میرے لیے چاول پکائے۔ ہوسٹل کے کچن

سے سالن مل گیا اور میں کھانا کھا کر رات کو سو گیا۔ مکرم مولانا حیدر علی صاحب ظفر جرمنی میں مبلغ انچارج رہے ہیں۔ انکے چھوٹے بھائی عمر علی طاہر صاحب میرے کلاس فیلو تھے۔

صبح اٹھ کر باتھ روم جانے لگا تو ہوسٹل کے صحن میں زمین پر پاؤں رکھنے سے مَٹ مَٹ کی آواز آرہی تھی اور پاؤں دھنسا جاتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کلّر والی مٹی ہے۔ جو کہ رات کو ٹھنڈ پڑنے کے باعث اونچی ہو جاتی ہے۔ پاؤں رکھنے سے دھنس جاتا تھا۔ ہر چیز، ہر بات عجیب تھی۔ پانی کڑوا اور نمکین تھا۔ پینے والے پانی کو میٹھا پانی کہتے تھے۔ باہر سے کہیں سے ماشکی پینے والا پانی لاتا تھا۔

جامعہ میں داخلہ

19 نومبر 1968ء، صبح 10 بجے خاکسار محترم سید میر داؤد احمد صاحب (پرنسپل) کے بہت بڑے دفتر میں داخل ہوا۔ میر صاحب نے انٹرویو لیا۔ انٹرویو کیا تھا یہ کہ اردو کس قدر جانتا ہوں، قرآن شریف پڑھ سکتا ہوں یا نہیں۔ میں اردو کی 'ا''ب''پ' جانتا تھا اور قرآن شریف کا سورۃ البقرہ کا ایک رکوع پڑھا ہوا تھا۔ چنانچہ مجھے فصل الخاص میں داخل کر لیا گیا۔ شکر ہے کہ واپس نہیں بھجوایا گیا۔ الحمدللہ۔

اس زمانہ میں بھائی محمود احمد صاحب (بنگالی) جامعہ میں پڑھتے تھے۔ مگر بہت بیمار تھے۔ کچھ دن بعد انکو ڈھاکہ واپس بھیج دیا گیا۔ اس شرط پر کہ علاج کے بعد اگر صحت مند ہو گئے تو دوبارہ جامعہ میں آئیں گے۔ چنانچہ ایک سال بعد محمود صاحب صحتمند ہو کر

واپس آ گئے۔ اور مولانا انیس الرحمان صاحب کامیاب ہو کر مربی سلسلہ بن گئے۔ مجھے جامعہ احمدیہ میں داخلہ ملنے سے بے حد خوشی ہوئی۔ سب طلباء مجھ سے بہت محبت سے ملتے تھے، باتیں کرتے تھے۔ اردو بولنے کی مشق کرواتے تھے۔ لیکن بہت سی باتوں میں بہت تکلیف تھی۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ روٹی کھانا مشکل تھا۔ مولانا انیس الرحمان صاحب نے کہا کہ میر صاحب کے پاس جاؤ، کہو کہ کچھ دن کے لیے ایک وقت چاول کھانے کی اجازت دیں۔ میر صاحب نے کہا کہ اگر تو تم نے یہاں رہنا ہے تو چاول کھانا بھول جاؤ۔ یہاں کے چاول بہت مزے دار ہوتے تھے۔

جامعہ احمدیہ کے شب وروز

جامعہ کے زمانہ کے چند ایک واقعات مختصراً لکھتا ہوں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ اسی سال کی بات ہے عید الاضحیٰ کے دن حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے مسجد مبارک میں عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد پہلا اعلان یہ ہوا کہ حضور انورؒ تمام احباب سے مصافحہ فرمائیں گے۔ اور دوسرا اعلان یہ ہوا کہ جلسہ سالانہ بہت قریب ہے، لنگر خانہ پر ضروری وقار عمل کرنا ہے۔ جامعہ احمدیہ کے طلباء حضور سے ملاقات نہیں کریں گے بلکہ لنگر خانہ پر فوری طور پر پہنچ جائیں گے چنانچہ ہم چلے گئے۔ روزانہ جامعہ کی تدریس کے بعد ہم سب طلباء جامعہ میں وقار عمل کرتے تھے۔ حضرت میر صاحب ہمیشہ مشکل کام پر جامعہ کے طلباء کو لگاتے تھے۔

جلسہ سالانہ پر ہماری ڈیوٹی لنگر خانہ نمبر 1 پر رات کو روٹی اٹھانے کی تھی۔ سمجھا جاتا تھا کہ یہی سب سے زیادہ مشکل ڈیوٹی ہوتی ہے، رات 12 بجے روٹی پکنا شروع ہوتی تھی۔ ہماری ڈیوٹی یہ تھی کہ تندور سے گرم روٹی اٹھا کر تقسیم کے کمرہ میں اکٹھی کرنا تا صبح وقت پر روٹی تقسیم کی جاسکے۔ مجھے سردی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ سخت تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ فرصت ملنے پر علیحدگی میں روتا تھا۔ لیکن دوسرے سال اور بعد کے سالوں میں جلسہ سالانہ کے آنے پر ہم بہت خوش ہوتے تھے۔ بلکہ سارا سال انتظار کرتے تھے کہ جلسہ سالانہ کب آئے گا۔

پہلے دو تین سال روٹی اٹھانے والی ڈیوٹی رہی۔ اسکے بعد سالن تقسیم کرنے کی ڈیوٹی ہوتی تھی۔ رات کو گائے کا گوشت ساتھ آلو اور صبح دال۔ کوارٹر تحریک جدید کے پیچھے یعنی مشرق کی طرف جلسہ سالانہ کا مرکزی دفتر تھا۔ یہاں پر پرہیزی کھانے یعنی چاول پکانے کا لنگر تھا۔ چاول کے ساتھ چھوٹا گوشت یعنی بکرے کا گوشت ہوتا تھا۔ ایک سال یہاں بھی ڈیوٹی تھی۔ مکرم مولانا محمد عثمان چینی صاحب مرحوم انچارج ہوتے تھے۔ محترم میر داؤد احمد صاحب افسر جلسہ سالانہ ہوتے تھے۔ جب تک آپ زندہ رہے افسر جلسہ سالانہ رہے۔ آپ کے بعد چوہدری حمید اللہ صاحب افسر جلسہ سالانہ بنے۔ میر داؤد احمد صاحب کے بارہ میں سب یک زبان ہو کر کہتے تھے کہ جلسہ کے دوران آپ کب سوتے ہیں کسی کو علم نہیں۔ ساری رات جلسہ سالانہ پر ڈیوٹی دینے والوں کی نگرانی کرتے تھے۔ سب لوگ حیران ہوتے تھے کہ کسی بھی وقت محترم میر صاحب لنگر خانہ پہنچ جاتے تھے۔ اس زمانہ میں چار بڑے لنگر خانے تھے۔ محترم میر صاحب اصول کے انتہائی

سخت پابند تھے۔ سب ان سے ڈرتے تھے۔ حالانکہ بعد میں ہم نے دیکھا کہ انتہائی نرم، محبت کرنے والے اور ہمدرد انسان تھے مگر ڈیوٹی کے دوران آپ سخت ہوتے تھے۔ لیکن اکثر مزاح اور خوشگوار لطیفے سناتے تھے۔ مجھے یاد ہے۔ پہلے سال کی بات ہے، رات 12 بجے آکر ہمیں نیند سے جگاتے تھے۔ ایک روز جگانے سے قبل انہوں نے میری جوتی ویسٹ کوٹ کی جیب میں چھپا دی تھی۔ چنانچہ میں نے جاگنے کے بعد باتھ روم جانا تھا۔ لیکن جوتی نہیں مل رہی تھی۔ میر صاحب میری جوتی ڈھونڈنے لگے۔ جب کہیں سے نہیں ملی تو آخر میر صاحب نے میرے کوٹ کی جیب سے جوتی نکالی اور ہنس کر کہنے لگے کہ تم نے کوٹ میں جوتی چھپا کر رکھی ہے؟

مرزائیوں نے ربوہ میں جنت بنا رکھی ہے

ایک سال جلسہ سالانہ کے دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک غیر احمدی مولوی صاحب کو میرے پاس لایا گیا کہ ان کی بات سنیں اور کوئی انتظام کریں۔ مَیں اُن دنوں جامعہ کی آخری کلاس میں پڑھتا تھا۔ مولوی صاحب سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ مولوی صاحب کہنے لگے کہ سرگودھا کے فلاں گاؤں سے آیا ہوں۔ اپنے گاؤں میں مَیں مسجد کا امام ہوں۔ میں چھپ کر آیا ہوں۔ جلسہ دیکھ کر چلا جاؤں گا۔ کسی اجتماعی قیام گاہ میں نہیں رہنا چاہتا تا کہ کوئی پہچان نہ لے اور اس طرح نوکری چلی جائے گی۔ کوئی ایسی جگہ رات رہنا چاہتا ہوں جہاں زیادہ لوگ نہ ہوں۔ چنانچہ میں نے دو تین جگہ کوشش کی۔ آخر دار الیمن شرقی میں ایک دوست کے گھر لے گیا کہ اس جگہ رات رہ لے لیکن

مولوی صاحب کو وہ جگہ پسند نہیں آئی۔ واپس لاری اڈہ کی طرف آتے ہوئے ہم باتیں کرنے لگے۔ مجھے کچھ شبہ ہوا کہ کوئی بات ہے۔ میں نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ بتاؤ اصل بات کیا ہے۔ مولوی صاحب کہنے لگے مَیں نے تو سنا تھا کہ ربوہ میں کہیں زمین کے نیچے کوئی طہہ خانہ ہے جہاں جنّت بنائی گئی ہے۔ وہاں حوریں ہیں۔ میرے جیسے کو جنّت میں رکھے جانے کی بات کریں۔ میں نے کہا مولوی! یہ سامنے لاری اڈہ ہے بس پر بیٹھ کر بھاگ جاؤ۔ اگر کسی پنجابی کو تمہارا پتہ چل گیا تو تمہیں تو بہت حوریں (مکّے) ملیں گے۔ چنانچہ وہ بس پر بیٹھ کر چلا گیا۔

مری میں گرمیوں کی چھٹیاں(murree hill)

اب پھر جامعہ کے پہلے سال کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ ہماری خوش قسمتی تھی کہ گرمی کے دنوں میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے تین ماہ کیلئے مری (murree) میں رہائش رکھنے کا فیصلہ فرمایا۔ حضورؒ کیلئے مناسب مکان کرائے پر لیا گیا۔ مکان کے سامنے کافی بڑی خالی جگہ تھی۔ ایک جگہ نماز کیلئے تیار کی گئی تھی۔ یہ سنی بنک(Sunny Bank)کا علاقہ تھا۔

محترم میر صاحب نے ہمارے لئے چھوٹا سا مکان کرایہ پر لیا جہاں ہم چھ طلباء کا تین ماہ کیلئے حضور کے قریب رہنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ ہم چھ (6) غیر ملکی طلباء جامعہ میں نئے داخل ہوئے تھے۔ ہمارے نگران کے طور پر حضرت ماسٹر عطا محمد صاحبؓ، صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمارے استاد کو مقرر کیا گیا۔ کھانا پکانے کے لئے ایک

باورچی بھی ہمارے ساتھ گیا۔ ہر روز کچھ دیر پڑھائی کرنا پڑتی تھی۔ بعد میں سیر کرنا اور شام کو مغرب وعشاء کی نمازیں حضورؒ کی امامت میں پڑھنا ہوتیں۔ مغرب کے بعد حضورؒ تشریف فرما ہوتے اور حاضرین سے گفتگو فرماتے۔ ملک کے مختلف حصّوں سے احمدی احباب حضورؒ سے ملاقات کی غرض سے وہاں حاضر ہوتے۔ حضورؒ بے تکلفی سے گفتگو فرماتے تھے۔ مری چھوٹا سا شہر، راولپنڈی سے قریباً 40 میل کا سفر ہے جو کہ بذریعہ موٹر کار یا بس پہاڑوں کے گرد چکر کھا کر اوپر جانا پڑتا ہے یعنی سڑک پہاڑوں کے گرد چکر کھا کر اوپر جاتی ہے۔ مری ٹھنڈی جگہ ہے۔ شدید گرمی میں لوگ سیر و تفریح کیلئے مری جاتے ہیں۔ بعض لوگ ہوٹل میں دو چار روز قیام کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی چاہے تو راولپنڈی سے صبح مری جا کر گھوم پھر کر شام کو واپس راولپنڈی آسکتا ہے۔ راولپنڈی میں ہوٹل سستا ہے مگر مری میں بہت مہنگا ہے۔ کھانے پینے کا سامان بھی مری میں بہت مہنگا ہوتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے مری (murree) میں ایک مکان خریدا تھا۔ خیبر لاج چھوٹا سا مکان تھا۔ ایک عرصہ مری میں مقیم مربی سلسلہ اس میں رہتے رہے، بعد میں بیچ دیا گیا تھا۔

ایک روز بعد نمازِ مغرب حضور پر نور نے از راہِ شفقت مجھ سے مشرقی پاکستان کے بارہ میں گفتگو شروع فرمائی۔ حضورؒ 1963ء میں مشرقی پاکستان تشریف لائے تھے۔ ایک بات یہ بھی ہوئی کہ یہاں پر گائے چھوٹی ہوتی ہے۔ تھوڑا دودھ دیتی ہے۔ حضورؒ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ آئس کریم ملتی ہے کہ نہیں، میں نے کھائی ہے یا نہیں۔ مَیں تو

شہر سے بہت دور کے گاؤں سے تعلق رکھتا تھا، آئس کریم نہیں کھائی تھی۔ حضور پر نور نے مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے فرمایا کہ امداد الرحمان کیلئے آئس کریم کا انتظام کریں۔ حضور انور تو ہر معاملہ میں بہت اعلیٰ ذوق کے مالک تھے۔ لہذا نہایت لذیذ اور مزیدار آئس کریم کا انتظام کیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک روز مغرب کے بعد حاضرین کو آئس کریم کھانے کا موقع ملا۔ سب احباب بہت خوش ہوئے کہ آج تو حضور انور کی طرف سے ایسی لذیذ آئس کریم کھانے کا موقع ملا۔ سب مجھے مبارک باد دینے لگے۔ جامعہ کے اور بھی لڑکے اس روز پہنچ گئے تھے۔ مولانا انیس الرحمان بنگالی صاحب مرحوم، مولانا انعام الحق کوثر صاحب جو آج کل آسٹریلیا میں مبلغ انچارج و امیر ہیں۔ انعام الحق کوثر صاحب بار بار مجھے گلے لگاتے اور کہتے 'مجھے آپ پر رشک آتا ہے' ۔ آخر حضورؒ کے ساتھ سب کی فوٹو بھی بنوائی گئی۔ الحمد للہ۔

آج کل بنگلہ دیش میں بہت سے ڈیری فارم بن گئے ہیں۔ بڑی بڑی گائیاں بہت زیادہ دودھ دیتی ہیں۔ ہر شہر میں آئس کریم ملتی ہے۔

ہوسٹل میں مسجد کی صفائی اور اذان کی سعادت

اس زمانہ میں جامعہ ہوسٹل میں مجھے ایک اور اچھا کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ جامعہ کی پرانی عمارت میں جامعہ کا ہوسٹل ہوتا تھا۔ ہماری کوئی الگ مسجد نہیں تھی۔ اس عمارت میں جو لائبریری ہال تھا اس میں ہم نمازیں پڑھتے تھے۔ اور گرمی میں ہوسٹل کے صحن میں نماز کیلئے جگہ بنائی جاتی تھی۔ کئی دفعہ آندھی اور بارش ہوتی، صفیں اُڑ کر اِدھر اُدھر

ہو جاتیں نماز کے وقت سے پہلے صفیں لاکر بچھانا ایک مشکل کام تھا۔ خدام الاحمدیہ کے زعیم صاحب سائقین کی ڈیوٹیاں لگاتے کہ وقت پر نماز کا انتظام ہو، اذانیں وقت پر ہوں۔ مگر لڑکے سستی کرتے تھے۔ خاکسار کو انکی سستی پسند نہیں آتی تھی۔ انتظامیہ سے کہہ کر اذانیں وقت پر اور جائے نماز وغیرہ درست کرنا مَیں نے اپنے ذمّہ لے لیا تھا۔ پورا ایک سال میں یہ ذمہ داری اٹھاتا رہا۔ اذان دینے کا مجھے بہت شوق ہو گیا تھا۔ اس زمانہ میں صرف مسجد مبارک میں لاؤڈ سپیکر پر اذان دی جاتی تھی۔ سردیوں میں فجر کی اذان کا بڑا لطف آتا تھا۔ دور دور تک آواز جاتی تھی۔ مجھے بے حد خوشی ہوتی تھی۔ دل چاہتا تھا، اے کاش! میری اذان ساری دنیا سنے۔ وقت پر اذان اور اقامت کہنے کیلئے گھڑی کی ضرورت تھی چنانچہ محترم میر صاحب نے مجھے ہاتھ میں باندھنے والی گھڑی خرید کر دی تھی۔ مجھے اب بھی یقین ہے کہ میرے اس عمل نے مجھے بہت فائدہ دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ملتی رہیں۔ مسجد سے محبت ہونا خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہوتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ خدّام اور خاص طور پر طلباء کو سمجھایا جائے کہ وہ چھٹیوں میں وقفِ عارضی کریں۔ وقفِ عارضی میں اذانیں دیں۔ مسجد کی صفائی بہت شوق سے کریں۔ اس سے خدا کا خاص فضل ہو گا۔ انشاءاللہ۔ ایسے تو اپنے علاقہ کی مسجد میں کوئی بھی یہ کام کر سکتا ہے۔ نوجوانوں کی اس طرف توجہ ہونی چاہیئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

جامعہ کی بعض اَور مصروفیات

جامعہ میں روزانہ عصر کے بعد کھیلنا ضروری ہوتا تھا کھیل کی حاضری ہوتی تھی۔ ہر لڑکے کو کسی نہ کسی کھیل میں حصّہ لینا ضروری ہوتا تھا۔ محترم میر داؤد صاحب طرح طرح کے پروگرام دیتے تھے۔ پہلے سال درجہ ممہدہ کیلئے رائفل ٹریننگ ضروری تھی۔ اسکے بعد بند کر دی گئی تھی۔

ایک عرصہ تک ہر ہفتے ایک روز 5 میل دوڑنا ہوتا تھااور وقت پر دوڑ مکمل کرنی ہوتی تھی ورنہ دوسرے روز پھر دوڑنا پڑتا تھا۔ سال میں ایک روز 13 میل دوڑنا بھی ضروری ہوتا تھااور سب کا اس میں حصہ لینا ضروری ہوتا تھااور ہر لڑکے نے سات سالوں میں سے ایک دفعہ 150 میل پیدل بھی چلنا ہوتا تھا۔ کھانے کا خشک سامان ساتھ لے جانا ہوتا تھا۔ راستہ میں کھانا کہیں سے بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ ہاں چلتے چلتے اگر کوئی روپیہ کما کر کھانا خریدنا چاہے تو اجازت تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔ جو لڑکا اوّل پوزیشن حاصل کرتا وہ 30-32 گھنٹوں میں 150 میل چلنا مکمل کرتا۔ ہمارے ساتھ تو ہادی علی چوہدری صاحب نے غالباً 26 یا 27 گھنٹوں میں سفر مکمل کر کے ریکارڈ بنایا تھا۔

حقیقت میں محترم میر صاحب کی خواہش ہوتی تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی منشاء کے مطابق مبلغین تیار ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور بعد کے خلفاء کی تمنا تھی کہ مبلغین سخت محنتی، سخت جفاکش، بہت باہمت، حوصلہ مند، نڈر، انتہائی صابر اور مضبوط دل کے مالک ہوں۔ کبھی کسی حال میں نہ گھبرانے والے ہوں۔ سات سال میں ایک دفعہ

پہاڑی علاقہ میں ہائیکنگ یعنی کم و بیش 150 میل چلنا ہوتا تھا۔ راستہ بتانے کیلئے ایک استاد صاحب ساتھ ہوتے تھے۔

1974ء سے ظلم و تشدد کے دَور کا آغاز

تین سال تک جامعہ میں رہنے اور پڑھنے کی عادت ہو گئی اسی طرح مشکلات کم ہو گئیں اور دل لگ گیا تھا۔ اس زمانہ میں ملک میں احمدیت کے خلاف شورش پیدا کر دی گئی تھی۔ احمدیت کے خلاف خطرناک سازش تیار کی گئی۔ ذوالفقار علی بھٹو تیسری دنیا کا لیڈر بننا چاہتا تھا۔ سعودی فرماں رواں شاہ فیصل صاحب کو خلیفۃ المسلمین بنانے کی کوشش کی گئی۔ ناکامی کے بعد احمدیت کے خلاف شدید ظلم و بربریّت کا پروگرام بنایا گیا۔ احمدیت کی ترقیات کو دیکھ کر ساری دنیا ڈر گئی تھی مگر حضرت خلیفۃ المسیحؒ احمدیت کے غلبہ کی پیشگوئی فرما رہے تھے۔ ہوا یہ کہ 29 مئی سے 7 ستمبر 1974ء تک پنجاب بھر میں احمدیوں کے مکانات اور کاروبار و تجارت یعنی دکانوں کو آگ لگائی جاتی رہی۔ بہت سے احمدیوں کو شہید کیا گیا۔ احمدیوں پر زمین تنگ کر دی گئی تھی۔ 29 مئی سے ہی ربوہ میں خدّام نے ڈیوٹیاں دینا شروع کر دیں تھیں۔ ہم سب رات دن ڈیوٹیاں دیتے رہے۔ اس وقت خاکسار درجہ ثالثہ کا طالب علم تھا۔

یہ سب کچھ گہری سازش کے تحت کیا جا رہا تھا چنانچہ قومی اسمبلی میں احمدیت پر بحث کا انتظام کیا گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ کو سوال جواب کیلئے اسمبلی میں بلایا گیا۔ 11 روز تک حضور پر نور قومی اسمبلی کے خاص اجلاس میں

جا کر سوالات کے جوابات ارشاد فرماتے رہے۔ لیکن انتہائی دردناک اور افسوسناک واقعہ یہ ہوا کہ اسمبلی نے فیصلہ کیا کہ پاکستان کے آئین اور قانون کی نظر میں احمدی نان مسلم شمار ہوں گے۔

7 ستمبر کی شام کو اس فیصلہ کا اعلان ریڈیو اور ٹیلیویژن پر کر دیا گیا۔ ہم رات کو ڈیوٹی پر تھے چنانچہ رات 2 بجے کے قریب پولیس نے خاکسار کو گرفتار کر لیا۔

7 ستمبر 1974 میری گرفتاری کا دن اور ایام اسیری

29 مئی 1974ء سے پاکستان بھر میں جماعت احمدیہ پر جو ظلم و تشدد شروع ہوا تھا وہ کسی بھی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ احمدیوں کو کھلے بندوں مارا پیٹا جا رہا تھا۔ ان کی جائیدادیں لوٹی جا رہی تھیں اور مکان جلائے جا رہے تھے۔ انہیں گھروں سے بے گھر کیا جا رہا تھا۔ ظالموں کو کوئی پوچھتا تک نہیں تھا۔ وہ جو چاہتے کرتے تھے۔ مظلوموں کی مدد اس طرح کی جاتی تھی کہ وطن کے محافظ خود پاس کھڑے ہو کر احمدیوں کے مکانوں کو لٹاتے اور آگ لگواتے تھے۔ اور اگر کوئی اپنی حفاظت کی خاطر کہیں ہاتھ اٹھاتا تو اس جرم میں اسے ہتھکڑی لگا کر جیل بھیج دیا جاتا۔ انہی شدید خطرناک قسم کے ہنگامی حالات میں ربوہ میں خود حفاظتی کی غرض سے چوبیس گھنٹے خدام پہرہ دے رہے تھے۔ ادھر حکومت پاکستان نے جماعت احمدیہ کے مسلم یا غیر مسلم قرار دیئے جانے کے واسطے قومی اسمبلی کی ایک خصوصی کمیٹی بنا دی گئی۔ 7 ستمبر فیصلہ کا دن تھا۔ ہمارا یہ خیال بلکہ یقین تھا

کہ حکومت پاکستان کی یہ خصوصی کمیٹی ہمیں غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دے سکتی۔ کیونکہ ہم مسلمان ہیں، اسلام کے خادم اور اس کے جانثار ہیں۔

لیکن 7 ستمبر کو شام پانچ بجے ریڈیو پاکستان سے جو اعلان نشر ہوا اس نے ہمارے یقین کا بخوبی ازالہ کر دیا۔ کیونکہ اعلان میں احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا تھا۔ اس دن تمام شہروں میں پولیس خاصی تعداد میں بھیجی جا چکی تھی اور ربوہ میں بھی سکیورٹی فورس اور پولیس کی تعداد معمول سے کہیں زیادہ بڑھا دی گئی تھی۔

حسب معمول خدام کی ڈیوٹی اور پہرہ کا انتظام تھا۔ اس دن یعنی 7 ستمبر کو میری ڈیوٹی رات کی شفٹ میں سائیکل پر لگائی گئی تھی۔ میں اور میرے ایک ساتھی خدا بخش ناصر صاحب، رات قریباً ساڑھے بارہ بجے محلہ دار الیمن اور دار النصر کا جائزہ لینے کیلئے اور ڈیوٹی پر موجود اپنے ساتھیوں کو چیک کرنے گئے تھے۔(اگر لائلپور (موجودہ فیصل آباد) سے ربوہ کی جانب آئیں تو دریائے چناب کے دوسرے پل سے لے کر مغربی جانب پہاڑی درّے تک سڑک کی دائیں جانب محلہ دار الیمن ہے اور سڑک اور ریلوے لائن سے پار بائیں جانب محلہ دار النصر) خیر رات ڈیڑھ بجے کے قریب ہم دونوں پختہ سڑک پر واپس آ رہے تھے۔ جب ہم چناب پل اور پہاڑی درہ کے قریباً عین وسط میں پہنچے تو اچانک پولیس کی ایک گاڑی بالکل ہمارے پاس آ کر رکی۔ گاڑی کا رکنا تھا کہ میرے ساتھی نے اپنا سائیکل موڑا اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے پاس چلا گیا۔ اتنے میں گاڑی سے ایک آواز آئی۔ ادھر آؤ! میں ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور گاڑی میں بٹھا لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جیپ والے صاحب D.S.P چنیوٹ ہیں۔ انکے ساتھ پولیس کی اَور بھی

گاڑیاں تھیں اور کافی پولیس بھی۔ انہوں نے میرے ساتھی کا تعاقب کیا مگر وہ نہ ملا۔ اس تعاقب کے دوران انہیں محلہ میں ڈیوٹی پر موجود بعض دوست ملے لیکن بعد میں ان کو چھوڑ دیا گیا۔ اس دوران جامعہ احمدیہ کے طالب علم حبیب احمد بھی ان کے قابو میں آئے ۔ اور وہ ہمیں پولیس چوکی لے گئے۔ بڑی لمبی بحث اور تمحیص کے بعد بالآخر مکرم عبدالعزیز بھامبڑی صاحب نمائندہ امور عامہ کی ضمانت پر ہمیں چھوڑ دیا گیا یہ کہہ کر کہ ہر صبح ایک دفعہ چوکی پر آنا ہو گا۔ حکم کے مطابق اگلے دن صبح آٹھ بجے دوبارہ پولیس چوکی میں پہنچا۔ میرے دوسرے ساتھیوں خدا بخش ناصر اور حبیب سے کچھ بھی نہ پوچھا گیا اور مجھے گرفتار کر لیا گیا اور ہتھکڑیاں لگا کر دوپہر بارہ بجے کے قریب لالیاں تھانے میں لے گئے۔ وہاں کچھ فوجی تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی فوجی افسر کی آمد کے منتظر ہیں۔ وہ مجھے اس فوجی افسر کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے۔ مگر خوش قسمتی سمجھیے یا بد قسمتی کہ وہ افسر تشریف نہ لائے اور مجھے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ حوالات میں بند کرنے سے قبل تھانیدار صاحب نے مجھ سے کافی سوال وجواب کئے اور ڈرایا دھمکایا جس سے میں بہت گھبرا گیا۔ میرے ذہن میں عجیب عجیب خیالات آرہے تھے کہ نہ جانے اب آئندہ کیا ہو گا؟

شام کو ہوسٹل جامعہ احمدیہ کے نائب زعیم مرزا محمد افضل خان صاحب جو میرے قریبی دوست بھی تھے سرگودھا کے کسی دیہاتی زمیندار بھائی کے ساتھ میرا حال احوال پوچھنے کیلئے تشریف لائے۔ انہوں نے بہت تسلی دی۔ کھانا کھلانا چاہا۔ مگر میں بہت گھبرایا ہوا اور بڑا فکر مند تھا۔ مجھے کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس حوالات کے دوسرے کمروں میں

تحریک ختم نبوت کے چند آدمی بند تھے۔ انہوں نے مجھے کافی تنگ کیا اور میرے خلاف تھانیدار صاحب کو اکساتے رہے۔

8 ستمبر کی صبح مجھے ہتھکڑی لگی تھی۔ 9 ستمبر کو اتوار کا دن تھا۔ چنانچہ دو دن لالیاں تھانے میں گزرے۔ 10 ستمبر کی صبح چنیوٹ میں .A.C صاحب کی عدالت میں میری پیشی ہوئی۔ .A.C صاحب تھانیدار پر بہت ناراض ہوئے اور غصہ سے کاغذات کو پرے پھینک دیا اور کہا کہ یہ کوئی کیس ہی نہیں بنتا۔ کیس دوبارہ تیار کیا گیا اور بحث و تمحیص کے بعد بالآخر سات دن کا جسمانی ریمانڈ دے دیا گیا۔ اور ریمانڈ بھی کیوں نہ دیتا جبکہ اسے اوپر سے حکم مل چکا تھا۔ چنانچہ چنیوٹ حوالات میں مجھے بند رکھا گیا۔ 16 ستمبر کو پھر چنیوٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ لیکن عدالت میں جا کر معلوم ہوا کہ آج سے ربوہ میں ریذیڈنٹ مجسٹریٹ صاحب کی عدالت لگ رہی ہے اس لئے میری پیشی وہاں ہو گی۔ خیر مجھے ربوہ لائے اور یہاں سے میں ضمانت پر رہا ہو گیا۔ (فالحمد للہ علیٰ ذالک)

18 ستمبر سے رمضان شروع ہو گیا اور پھر اسی ماہ میں کچھ دنوں بعد میرا سالانہ امتحان بھی شروع ہونا تھا۔ عدالتوں کے چکر لگا لگا کر شدید فکر، گھبراہٹ اور پریشانی کے باعث میری صحت کافی کمزور ہو چکی تھی۔ جس کے باعث مَیں بہت سے روزے بھی نہ رکھ سکا۔ اور اسی عالم میں مَیں نے اپنا امتحان دیا۔ رمضان کے بعد عید آئی اور گزر گئی۔ پھر اچانک ایک دن یعنی 22 اکتوبر کو پولیس والے پھر آدھمکے اور مجھے گرفتار کر لیا۔ قریباً ایک ماہ کے وقفہ کے بعد مجھے دوبارہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اس دفعہ مجھے حکومت پنجاب کے ہوم سیکرٹری کے حکم سے گرفتار کیا گیا۔ جس کے مطابق مجھے 90 دن کیلئے شاہی قلعہ

لاہور میں نظر بند رہنا تھا۔ گرفتاری کے بعد تھانیدار راجہ عنایت اللہ صاحب مجھے اپنے ساتھ لالیاں لے گئے اور اپنی طرف سے اظہار ہمدردی کرنے لگے۔ کہنے لگے کہ بھائی ہم مجبور ہیں۔ ہم آپ کی کچھ مدد نہیں کر سکتے...... میَں تو اپنے رب قدیر سے مدد کا طالب تھا اور اس کی رحمت کا امیدوار۔

22 اکتوبر کی رات لالیاں حوالات میں گزاری۔ شام کو جامعہ کے کچھ طالبعلم ساتھی میرے لئے کھانا وغیرہ لے کر آئے اور اسی طرح اگلے دن صبح ناشتہ اور دیگر مناسب سامان لے کر پھر دوبارہ آئے۔ اور 23 کی صبح کو لالیاں سے ربوہ چوکی لائے اور پھر یہاں سے لاہور کی جانب روانگی ہوئی۔ اس وقت مجھے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی اور جامعہ کے کچھ ساتھی وہاں پر موجود تھے۔ میری عجیب حالت تھی۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ بڑی مشکل سے آنسو ضبط کئے کیونکہ اب میں تین ماہ کیلئے ربوہ سے دور، اپنے پیارے امام سے دور، اپنے ساتھیوں سے دور ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں گزاروں گا ---ہائے تین ماہ کا طویل عرصہ ! نہ جانے وہاں یہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے--- طرح طرح کے خیالات میرے ذہن میں آرہے تھے۔ اور جیپ لاہور کی جانب سڑک پر بڑی تیزی سے بھاگتی جارہی تھی۔ ہر لمحہ میَں مرکز سے دور ہو رہا تھا۔ اپنے پیارے امام ہمام حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے دوری، مرکز سے جدائی اور اپنے عزیز ساتھیوں سے فرقت کا غم بدستور مجھے کھائے جارہا تھا۔

23 اکتوبر، شام کو مجھے شاہی قلعہ کے قید خانہ پہنچا دیا گیا۔ قلعہ میں عام طور پر ہر ایک کو الگ الگ سیل میں رکھا جاتا تھا۔ اس چھوٹے سے کمرہ میں ہی سب کچھ کرنا ہوتا

تھا۔ اس سے باہر نکلنے کی کسی صورت میں بھی اجازت نہ تھی۔ کھانا، پینا، نہانا، دھونا۔ حتّٰی کہ پیشاب پاخانہ تک بھی اسی چھوٹی سی کوٹھڑی میں ہی کرنا ہوتا۔ صرف ایک جوڑا کپڑوں کا استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ چھوٹا سا کمرہ، بدبو اور تعفّن کے باعث طبیعت سخت خراب ہوتی۔ اسی عالم میں کبھی مَیں لیٹ جاتا، کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتا اور کبھی کمرہ میں ٹہلنا شروع کر دیتا۔ اور کبھی نوافل وغیرہ پڑھنا شروع کر دیتا۔ عجیب اضطراب کی کیفیت تھی۔ کسی پل چین میسّر نہ تھا۔ یہاں کسی سے میری کچھ واقفیت تھی نہ جان پہچان۔ آخر خدا نے میری اور میرے ان ساتھیوں (یعنی دیواروں) کی دعا سن لی۔ اور 11 نومبر کو ہمارے مشفق اور مہربان استاد قریشی نورالحق تنویر صاحب ہائی کورٹ کی اجازت سے مجھے ملنے کی غرض سے قلعہ میں تشریف لائے۔ انہیں دیکھ کر جان میں جان آئی۔ ایک مدّت کے بعد ایک واقف کار اور وہ بھی اپنے استاد کو دیکھا تھا۔ خوشی کے مارے منہ سے آواز نہ نکلتی تھی۔ کئی کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ آخر تنویر صاحب بھی چلے گئے اور پھر وہی کمرہ اور خاموش معصوم دیواریں اور مَیں۔ رات بھر سوچتا رہا نہ جانے تنویر صاحب کس طرح یہاں آ گئے ؟۔ وہ یہاں کس لئے آئے ؟ انہیں مجھ سے ملنے کی اجازت کس طرح ملی.......؟ اگلے دن 12 نومبر کو مجھے قلعہ سے ہائی کورٹ لے جایا گیا۔ اور یوں زندگی میں پہلی بار ہائی کورٹ کو دیکھا (گو بطور ملزم کے ہی)۔ وہاں جج صاحب نے کچھ سوالات پوچھے۔ پھر واپس قلعہ میں لائے اسکے بعد کافی مطمئن ہو گیا کہ انشاء اللہ جلد رہائی ہو گی اور بالآخر 18 نومبر کی شام میرے لئے باعزت براءت کا پیغام لے کر آئی۔ ہائی کورٹ نے میری باعزّت براءت کا اعلان کر دیا تھا۔ اسی شام محترم تنویر صاحب مجھے قلعہ

سے لے گئے۔ رات دار الذکر لاہور میں گزری۔ 26 دن کی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد آج کی رات آزادی سے بسر کی۔ دل کی عجیب کیفیت تھی۔ خوشی کے مارے رات بھر نیند نہ آئی۔ بار بار خدا تعالیٰ کی حمد و شکر بجالاتا رہا۔ 19 نومبر کو لاہور سے روانگی ہوئی اور رات آٹھ بجے کے قریب ربوہ اسٹیشن پر اترا۔ ایک بہت بڑی تعداد اسٹیشن پر میرے استقبال کیلئے آئی۔ اسٹیشن لوگوں سے بھر گیا تھا۔ پھر وہاں سے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؒ بہت مصروف تھے۔ فرمایا صبح 10 بجے ملاقات ہو گی۔ اہالیان ربوہ نے ایسی محبت کا مظاہرہ کیا کہ ساری عمر یاد رہے گا۔

قید کی تکالیف

قید بہر حال قید ہی ہوتی ہے۔ وہاں آزادی یا سہولت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور پھر خصوصاً ہمارے جیسے ملکوں میں قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے وہ تو بس...... الامان والحفیظ۔ میں مختصراً ان تکالیف کا تذکرہ کئے دیتا ہوں جو دوران قید میرے لئے شدید پریشانی کا باعث بنی رہیں اور جن سے مجھے بہت تکلیف اٹھانی پڑی۔

لالیاں میں مجھے ذاتی طور پر کوئی خاص تکلیف تو نہیں دی گئی۔ سوائے اس کے کہ قضائے حاجت کے لئے صبح و شام صرف دو مرتبہ کمرہ سے باہر نکالا جاتا تھا۔ اور اس کے علاوہ قضائے حاجت کیلئے کمرہ سے باہر آنے کی ہرگز اجازت نہ تھی۔ یہاں پر میرے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ وہ منظر تھا جب کئی ملزموں کو پولیس والے نہایت بے دردی اور

بے رحمی سے پیٹتے تھے۔ اور ان کی دردناک اور دلسوز چیخوں سے میرا دل دہل جاتا تھا۔ یہ ہیبت ناک منظر مجھ سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ اور اسکا اثر مجھ پر اس قدر ہو جاتا تھا کہ مجھے بخار تک ہو گیا تھا۔

زیادہ دن یعنی ایک ہفتہ چنیوٹ حوالات میں رہا۔ یہاں بھی عجیب منظر تھا۔ چھوٹا سا کمرہ، تنگ جگہ اور بے شمار لوگ۔ سب کے سب بیک وقت آرام بھی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر اسی کمرہ میں نہانا، دھونا، قضائے حاجت وغیرہ۔ لوگ کھاتے پیتے بھی اسی کمرہ میں تھے۔ اور پھر سگرٹ، حقّہ پینے والوں کی دھواں بازی سے عجیب قسم کی بدبو اور تعفن پیدا ہو جاتا۔ مگر "مرتا کیا نہ کرتا"۔ وہاں ایک ہفتہ رہنا ہی پڑا۔

لاہور قلعہ میں صبح کا ناشتہ چائے اور ایک عدد بسکٹ ہوتا۔ پھر نو بجے کے قریب دال روٹی اور اسی طرح شام کو بھی۔ پانچ بجے شام کے قریب چائے ملتی۔ سالن نہایت تکلیف سے کھایا جاتا کیونکہ نہایت بدمزہ اور خراب ہوتا۔ رات کا باسی سالن صبح کے وقت دیا جاتا۔ یہاں پر صرف ایک جوڑا کپڑوں کا رکھنے کی اجازت تھی۔ اسی وجہ سے کپڑے گندے ہونے کے باعث بڑی سخت تکلیف ہوتی تھی۔ کپڑے دھونے اور سکھانے کا انتظام نہ تھا۔ پھر بھی ایک روز شلوار قمیص دھوئی تھی۔

حکام کا حسن سلوک

قیدیوں کے ساتھ جو سلوک عموماً انتظامیہ کی طرف سے کیا جاتا ہے اور جس قسم کے گندے الفاظ سے انہیں پکارا جاتا اور فحش گالیاں دی جاتی ہیں ایک شریف انسان ان

الفاظ کو ہر گز بیان نہیں کر سکتا۔ بلکہ بیان تو ایک طرف ان گالیوں کا سننا ہی اسکے لئے سخت دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی سلوک جو عموماً قیدیوں سے ہوتا ہے میرے ساتھ بھی ہوا۔ سوال وجواب کئے گئے۔ ڈرایا دھمکایا گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ تمہارا خون بھی ہمارے لئے جائز ہے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا۔ حسب عادت وفطرت بہت برے الفاظ سے مجھے پکارتے رہے۔ پھر مجھ سے سوال وجواب کرنے والے اشخاص کی شکلیں بھی نہایت بھیانک اور خوفناک تھیں۔ جب میں انکے سوالات کے ٹھیک ٹھیک جواب دے چکتا تو وہ کہتے کہ "نہیں تم کچھ چھپا رہے ہو"۔ غرضیکہ اس ایک فقرہ کو آڑ بنا کر آخر مجھ پر ظلم و تشدد پر اتر آتے۔ انہوں نے جو گندہ دہانی کی اسکی مثال نہیں ملتی۔ کم از کم میں نے اس قدر گندے الفاظ اس سے قبل کبھی نہ سنے تھے۔ اور اسی گندہ دہانی میں جماعت احمدیہ کے بارے میں بھی نہایت برے الفاظ استعمال کئے گئے۔ اور مجھ سے زیادہ میرے عقیدہ کو برا بھلا کہا گیا۔ دراصل یہ لوگ چاہتے تھے کہ میں احمدیت کو چھوڑ دوں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ چاہتے تھے کہ میں کوئی ایسا بیان تحریر کروں جس سے جماعت کو قانوناً گرفت میں لایا جاسکے۔ چنانچہ انہوں نے صاف لفظوں میں کہا کہ احمدیت چھوڑ دو تو تمہیں شاہی مسجد میں لے جاکر اعلان کریں گے، ہار پہنائیں گے، اچھی شادی اور اچھی نوکری مل جائے گی۔

مختلف ذلیل قسم کی حرکات کرواتے۔ مثلاً کھڑے ہونا، بیٹھ جانا، کان پکڑنا...... وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر اسکے بعد مار پیٹ شروع کر دیتے۔ میں ذہنی طور پر شدید زخمی تھا۔ کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ صرف اتنا یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے ہاتھوں سے بھی مارا، لاٹھی

سے بھی اور پاؤں سے بھی ٹھوکر مارتے رہے۔ اور یہ بھی یاد ہے کہ ایک روز مارتے مارتے ایک لاٹھی توڑ بھی دی تھی۔ اور پھر مختلف پوزیشنوں پر کھڑا کیا گیا۔ آخر خدا کا رحم جوش میں آیا اور اسکی قدرت دیکھئے کہ ان میں سے ایک کے پیٹ میں کچھ درد اٹھا۔ وہ باہر گیا۔ اس کی واپسی تک وقت کافی گزر چکا تھا۔ اور پھر آخر کار تھک ہار کر انہوں نے اس ''حسن سلوک'' کو التوا میں ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ (خدا رحم کرے ان پر)

کوئی یقین کرے یا نہ کرے یہ سچی بات ہے کہ وہ جو مار پیٹ کرتے تھے مجھے جسمانی طور پر کوئی درد نہیں محسوس ہوتا تھا۔ ہاں ذہنی طور پر سخت تکلیف ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ رات آٹھ بجے کے قریب بلایا گیا۔ میرے پاؤں میں رسّی باندھ کر کمرہ کی چھت کے ساتھ لٹکائے جانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ اور میں اسکو دیکھ رہا تھا۔ مگر قدرت کو ایسا منظور نہ تھا۔ چنانچہ عین اسی وقت ان کے افسر کی طرف سے حکم آیا کہ مجھے ان کے سامنے پیش کیا جاوے۔ چنانچہ مجھے اس افسر کے پاس لے جایا گیا۔ ان صاحب نے ایک انوکھا انداز اختیار کیا۔ مجھ سے بڑی ہمدردی جتلانے لگے اور کہنے لگے کہ بھائی ہم تم سے بہت اچھا سلوک کریں گے لیکن تم سچی سچی بات کرو۔ ورنہ......

انعامات الٰہیہ

گرفتاری کے بعد سارا عرصہ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل میرے شامل حال رہا کہ جو شخص بھی میرے قریب ہوا، مجھ سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ (فالحمد للہ علیٰ ذالک) میں سمجھتا ہوں اور میرا یہ پختہ یقین ہے کہ اس میں اس عاجز کی کوئی خوبی نہیں بلکہ محض احمدیت

اور اسلام ہی کی برکات کا نتیجہ ہے۔ لالیاں میں پھر چنیوٹ میں بھی لوگ متأثر ہوئے۔ حتّٰی کہ بعض سپاہیوں نے اس وقت جبکہ مجھے لاہور قلعہ لے جایا جارہا تھا کہا کہ ہمیں افسوس ہے تمہارے ساتھ زیادتی ہورہی ہے۔ ایک طرف میرے کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے۔ خود اپنا پکایا ہوا سالن مجھے کھانے کیلئے دیتے۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ تو دل سے مسلمان ہے اور ایسے زبانی زبانی اپنے آپ کو مرزائی کہتا ہے۔ وہ کہتے کہ مرزائی لوگ ضرور اسکی مدد کو آئیں گے۔ الحمد للہ کہ میں اپنی قید کے سارے عرصہ کے دوران کسی موقعہ پر ایک لمحہ کیلئے بھی احمدیت کے خلاف کوئی حرف زبان پر نہیں لایا۔

لاہور میں قریباً پانچ مرتبہ مجھے سوال و جواب کے لئے بلایا گیا۔ بعض مرتبہ خصوصی پارٹی کے حوالے بھی کیا گیا۔ خواہ خصوصی پارٹی ہوتی یا۔۔۔ ان میں سے ہر ایک نہایت غیر انسانی سلوک کرتا تھا۔ انکی زبان نہایت ناپاک تھی۔

آخری دفعہ سوال و جواب کے آخر میں انہوں نے مجھے کرسی پر بٹھایا اور چائے بھی پلائی۔

ایک مرتبہ ایک لائن افسر جو ہمارے کمروں کی صفائی کروارہا تھا ایک سب انسپکٹر کے ساتھ پھرتا پھراتا میرے سامنے آگیا۔ اور میری دری اور تکیہ دیکھ کر لائن افسر سے پوچھنے لگا کہ کیا یہ سیکنڈ کلاس کا قیدی ہے؟ لائن افسر کہنے لگا کہ یہ student ہے۔ اس نے تعجب سے کہا کہ student (طالبعلم) یہاں کہاں سے آگیا؟ لائن افسر بڑے سخت لہجہ میں کہنے لگا پاکستان میں انصاف کہاں ہے؟ انسانیت تو بالکل ہے ہی نہیں۔ مرزائی

ہونے کی وجہ سے ایک بے گناہ غیر قومی طالبعلم کو اس طرح ظلم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ یہاں کسی کو کون پوچھتا ہے؟

پھر ایک مرتبہ میں اپنے کمرہ میں بیٹھا پرندوں کیلئے روٹیوں کے ٹکڑے کر رہا تھا۔ ایک صاحب آئے کچھ دیر مجھے تکتے رہے اور پھر یکدم بول اٹھے۔ کون کہتا ہے کہ یہ غیر مسلم ہے۔ غیر مسلم کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ صاحب ایک مرتبہ سوال و جواب کے موقعہ پر ایک افسر بالا کے کاتب تھے اور اس موقعہ پر انہوں نے بھی احمدیت کے خلاف باتیں کی تھیں۔ لیکن آج وہ کہہ رہا تھا کہ یہ غیر مسلم کیسے ہو سکتا ہے؟

ایک دفعہ جب میں شام کا کھانا کھا رہا تھا D.S.P. صاحب تشریف لائے۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ مگر یکدم کیا دیکھتا ہوں کہ D.S.P. صاحب مصافحہ کے لئے میری طرف ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ میں تو لوہے کے بار کے پیچھے تھا۔ انہوں نے ہاتھ اندر ڈالا۔ چنانچہ میں نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔ ایک قیدی کے ساتھ یہ سلوک بالکل غیر طبعی تھا۔ چنانچہ D.S.P. نے میرا حال وغیرہ پوچھا اور حوصلہ اور تسلی دی۔

جس روز مجھے ہائی کورٹ میں پیش ہونا تھا۔ اس روز چھوٹے افسر صاحب نے D.S.P. صاحب سے دریافت کیا کہ ہتھکڑی لگائیں یا نہیں۔ پہلے D.S.P. صاحب نے کہا کہ نہ لگاؤ۔ ضرورت نہیں۔ مگر بعد میں انہوں نے کہا کہ Mr. Imdad! Don't mind please!! قانوناً آپ کو ہتھکڑی لگانا ضروری ہے۔ قانون کی پابندی ہی بہتر ہے۔ چنانچہ دو مسلح سپاہیوں کے ساتھ مجھے تیار کر دیا گیا۔ عام طور پر یہ سپاہی خود ہی جس طرح ممکن ہو ملزم کو عدالت میں لے جاتے ہیں۔ پبلک ٹرانسپورٹ، لوکل بس میں نہایت

تکلیف سے رَش کی وجہ سے دھکے کھاتے ہوئے لے جایا جاتا ہے۔ مگر مجھے .D.S.P صاحب نے خود اپنی کار میں بٹھایا۔ انکے ساتھ اور بھی افسر تھے۔ ایک کار کافی نہ ہونے کے باعث دوسری کار بھی طلب کی گئی۔ اور میرے ساتھ دو کی بجائے صرف ایک سپاہی رہنے دیا گیا۔ جب ہم شہر سے گزر کر عدالت عالیہ کی طرف جارہے تھے تو مجھے اس تصور سے بڑی خوشی محسوس ہوئی کہ لَهٗ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ (الرعد:12)۔ آج آنحضرت ﷺ کے ایک ادنیٰ اور حقیر غلام کے گرد اس کی حفاظت کے لئے پہرہ کی غرض سے مادی نقطہ نظر سے بھی دو .D.S.P ایک سب انسپکٹر اور ایک ہیڈ کانسٹیبل موجود ہے۔ سبحان اللہ!

مکرم نور الحق تنویر صاحب جب اس عاجز سے ملنے کی غرض سے قلعہ میں تشریف لائے تو جناب .D.S.P صاحب نے بڑے واضح الفاظ میں میری تعریف کی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میرے ساتھ والے کمرہ میں ایک قیدی تھا جس کی لمبی داڑھی بھی تھی۔ وہ روزے بھی رکھا کرتا تھا مگر اس کے باوجود یہ لوگ اسے گالیاں دیتے تھے۔ انہوں نے میری نماز کی بھی تعریف کی۔ ایک دفعہ میں نماز عصر پڑھ رہا تھا کہ اچانک نماز کے دوران مجھے محسوس ہوا کہ شاید باہر کوئی شخص مجھے نماز پڑھتے دیکھ رہا ہے۔ جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ ایک افسر چیکنگ پر آئے تھے اور مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ نماز کے بعد میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ یہ لڑکا مسلمان نہیں تو کون مسلمان ہو گا!!

نماز کو سنوار کر ادا کرنے یا خشوع و خضوع سے ادا کرنے کی توفیق محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور احمدیت کی برکت سے ہی اس عاجز کو نصیب ہوئی ورنہ ”من آنم کہ من دانم“۔

ایک اور واقعہ درج کئے دیتاہوں۔ جب میں لالیاں حوالات سے فارغ ہو رہا تھا تو دو درمیانی عمر کے قیدی جنہوں نے میرے ساتھ صرف ایک رات ہی گزاری تھی اور ان سے کوئی خاص گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان پر میرا اچھا تائثر قائم ہوا تھا۔ چنانچہ وہاں سے رخصت ہوتے وقت ان دونوں نے میرے ساتھ معانقہ کیا اور بڑے اصرار سے کچھ روپیہ بھی دیا۔

اللہ تعالیٰ کا پیار

شاہی قلعہ میں آنے کے بعد پہلی رات تو قریباً بے ہوشی سے ہی گزری۔ مگر دوسری رات کو غیر معمولی طور پر دل میں اطمینان تھا۔ صبح اٹھا تو میری زبان پر مندرجہ ذیل آیت قرآنی جاری تھی۔ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ:157)اس سے مجھے مزید تسلی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔ شاہی قلعہ کے پہلے ہی روز میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہاں 30 روز رہنا ہے۔ لیکن یہ خیال بھی آیا کہ شاید ابھی مزید مصائب آنے والے ہیں۔ قید کے دوران اکثر اوقات دعاؤں میں مشغول رہتا۔ بعض اوقات تو بڑا ہی لطف آتا کئی مرتبہ تو یوں ہوا کہ میں قرآن مجید کی وہ آیات پڑھتا تھا جو اس سے قبل کبھی مجھے یاد نہ تھیں۔ اس وقت نہ معلوم کس طرح ذہن میں

آجاتیں۔ مثلاً ایک دفعہ، یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب لالیاں سے عدالت میں بس پر سوار ہو کر جارہا تھا۔ بس میں کھڑے ہونے کی بھی جگہ نہیں تھی سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ ہتھکڑی لگی ہوئی، بس کا اوپر والا rod پکڑنا بہت مشکل تھا، سخت دھکّے کھا رہا تھا، اچانک چند لمحہ کیلئے جیسے نیند آگئی ہو جب ہوش آیا تو دیکھا کہ زبان پر یہ آیت ہے کہ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا(بنی اسرائیل:81)اس کے علاوہ یہ آیت رَبِّ أَنزِلْنِيْ مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ (المومنون:30)۔ یہ جیل کی یادوں میں سے لطیف ترین یادیں ہیں۔

لالیاں سے واپسی کے بعد بھی دل بڑا ہی بے چین تھا۔ نامعلوم خوف سے دل لرزتا رہتا تھا۔ ڈراوٴنی خوابیں آتی تھیں۔ جب پہلے ہی روز انہوں نے مارا تو سخت تکلیف ہوئی۔ اگر جلد اللہ تعالیٰ کا پیار نصیب نہ ہوتا تو قریب تھا کہ دماغ کی رگ پھٹ جاتی۔ مجھے جب مار پڑ رہی تھی تو صرف اس قدر احساس ہوتا تھا کہ مار پڑ رہی ہے۔ مگر جس حصہ بدن میں ضرب لگتی تھی اس میں ذرہ بھر تکلیف نہ ہوتی تھی۔ مگر ذہنی طور پر ناقابل برداشت تکلیف تھی۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ اب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور مادی طاقت مجھے نہیں بچاسکتی۔

لاہور میں بھی میں اکثر اوقات آیات قرآنی کا ورد کرتا رہتا۔ اور آیات قرآنی کے ورد سے جو لطف اور لذت حاصل ہوتی تھی اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بعض دفعہ میں ذہن میں آنے والی آیات سے اندازہ لگاتا کہ آج کیا ہو گا۔ جس روز مکرم نورالحق تنویر صاحب مجھ سے ملنے کے لئے آئے (مجھے انکی ملاقات کے بارے میں قبل از

وقت کچھ علم نہیں نہ تھا)۔ اس سے چند گھنٹے قبل میرے ذہن میں حسب ذیل آیت آئی
إِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلٰى مَعَادٍ (القصص:86) مکرم تنویر صاحب سے ملاقات کے بعد مجھے اس آیت کی حقیقت کا علم ہوا۔ اور یوں مجھے اس آیت کے ورد سے بڑا ہی مزہ آیا۔

ہمارا قادر و توانا خدا جو بہت ہی پیار کرنے والا اور بہت ہی شفیق اور مہربان ہے۔ دوران جیل میں نے اس کے پیار کے بہت سے جلوے دیکھے۔ ہر پریشانی کے بعد وہ خدا مجھے تسلی دیتا رہا۔ مجھے یہ یقین تھا کہ میرے اس کیس میں کوئی بھی میرے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میری رہائی کے سلسلہ میں ہائی کورٹ میں مقدمہ کیا گیا ہے۔ مگر مجھے یہ یقین تھا کہ میں زیادہ سے زیادہ 30 روز ہی لاہور قلعہ میں قید رہونگا۔ بس اس سے زیادہ ممکن نہیں اور یہ یقین خدا نے دل میں ڈالا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور میں پہلے ہی رہائی پا گیا۔ (فالحمد للہ علیٰ ذالک)

میری زندگی کا لطیف ترین روحانی تجربہ

منگل یا بدھ سے ارادہ کیا کہ آنے والے جمعرات کیلئے تیاری کروں گا کہ جمعہ کے روز اللہ سے ایک دعا ضرور قبول کروانی ہے۔ دعا میں نے یہ کرنی تھی کہ جس دن میرا مقدمہ عدالت میں پیش ہو اسی دن مجھے مخلصی ہو جائے۔ رات دو بجے دعا شروع کی ہی تھی کہ دعا کرنے سے روک دیا گیا۔ یہ سمجھانا مشکل ہے کہ کس طرح، مگر بہر حال روک دیا گیا۔ روک دیا گیا سے مراد یہ ہے کہ دل یا قلب بند ہو گیا یعنی کلمات یا آیات زبان پر

آتی نہیں تھیں۔ نماز نہیں پڑھ سکا کیونکہ سورۃ فاتحہ یا کوئی کلمہ زبان پر نہ آتا تھا اور نہ ہی دل میں۔ چنانچہ نماز نہ پڑھ سکا۔ عام انسان کو سمجھانا مشکل ہے۔ میں خود بھی نہیں سمجھ سکا کہ کیا ہوا تھا۔ اس سے کوئی گھبراہٹ بھی خاص نہیں ہوئی۔ مگر ایک عجیب کیفیت ہو گئی کہ پتہ نہیں اب کیا ہو گا مجبوراً لیٹ گیا صبح اٹھ کر نماز پڑھی اور استغفار کرتا رہا۔ مگر کچھ وضاحت نہ ہوئی۔ صبح نو بجے کے بعد خیال آیا کہ صلوٰۃ التسبیح پڑھتا ہوں۔ چنانچہ شکر الحمدللہ کہ صلوٰۃ التسبیح میں تسلی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے دعا سے روکنے کی وجہ یہ سمجھائی کہ

تم جلد نجات چاہتے ہو۔ صبر کرنا نہیں چاہتے۔ کیا تم اس خدا پر توکل نہیں کرتے جس نے تمہیں دو ہفتے ہو رہے ہیں اس قید میں بڑی آسانی سے زندہ رکھا ہے؟ کیا تمہارا خدا تمہیں بچائے گا نہیں؟ کیا اس نے اب تک تمہیں ظالموں سے بچایا نہیں اور آئندہ نہیں بچا سکتا؟ کیا خدا نے ہی پولیس والوں کو یہ طاقت نہیں دی کہ وہ تمہیں قید کرتے؟ کیا اگر وہ چاہتا تو تمہیں ان سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا؟ ممکن ہے اس جیل میں تمہارے لیے کچھ اور مدت رہنے میں ہی بھلائی ہو۔ کیا تم خدا کی قضا پر راضی نہیں ہو؟

تم نے خدا تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا ہے۔ یہ نہیں کہ تم خدا کو اپنی تقدیر پر راضی کروانے کی کوشش کرو۔ پس بہتری اسی میں ہے کہ تم خدا کی رضا پر راضی رہو۔

بس پھر کیا تھا۔ مجھے بہت تسلی ہو گئی اور میرا دل مطمئن ہو گیا کہ میرا خدا جب میرے ساتھ ہے تو مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ سے انہی دو امور کی روشنی میں دعا کی اور بڑا لطف آیا۔ بعض دفعہ تو میں نے دعا میں یہ بھی کہا کہ خدایا جب تک تیری مرضی ہے مجھے اس قید میں رکھ اور جو سلوک چاہے

میرے ساتھ کر۔ مجھے کسی قسم کی کوئی شکایت نہ ہوگی۔ میں تیری رضا پر راضی ہوں۔
اور گویا میں یہ کہتا تھا کہ

ہو فضل تیرا یا رب یا کوئی ابتلا ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو

لیکن بعد میں ایک اور حالت مجھ پر طاری ہوئی۔ غالباً 17 یا 18 نومبر کو ہائی کورٹ نے میرے کیس کے بارے میں تاریخ ڈالی تھی۔ لیکن جب مجھے اسکے نتیجہ کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا تو ایک روز طبیعت میں عجیب تغیر پیدا ہوا اور میں نے اپنے رب کریم سے کچھ یوں دعا کی کہ "اے میرے رب کریم! مجھے سمجھ آگئی ہے کہ تیری ہی تقدیر چلے گی۔ میں تیری تقدیر کا پابند ہوں۔ اور قیامت تک تیری تقدیر کا پابند رہوں گا۔ لیکن اے میرے پیارے خدا! تو میری ایک اور ایسی گزارش مان لے۔ تیرے لئے تو ایسا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ تیرے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا تھا۔ لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ۔ آج تو میری ایک دعا قبول کر کے اور اپنی تقدیر کو مجھ سے ٹال کر اس حدیث نبوی کی صداقت کا اس عاجز پر ایک زندہ جلوہ دکھا۔ تو نے میرے دل میں ڈالا تھا کہ مجھے یہاں زیادہ سے زیادہ 30 دن رہنا ہو گا۔ اگر 30 دن رہنا ہے اسکے بعد مخلصی ہونی ہے تو چند روز اور کم کر دے۔ کیونکہ جامعہ میں سالانہ تقسیم انعامات اور ڈنر ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز تشریف لائیں گے اور بعض احباب گروپ فوٹو بنوائیں گے حضور کے ساتھ۔ تین گروپ فوٹوز میں میری شمولیت ہے۔ اگر میں 30 دن کے بعد بری ہوا تو یہ

تقریب گزر جائے گی اور میں محروم رہ جاؤں گا۔ سوائے خدا اگر میں چند روز پہلے بری ہو جاؤں تو اس شاندار تقریب میں شامل ہو سکوں گا۔ اور یوں تیرے پیار کا ایک جلوہ مشاہدہ کر سکوں گا۔ تو قادر ہے تیری تقدیر غالب ہے۔ تو اپنا کرم کر"۔ چنانچہ اس خدائے ذوالجلال نے جو سمیع الدعاء، مجیب الدعوات اور اپنے بندوں پر بڑا مہربان اور رحیم ہے، میری اس عاجزانہ دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ 18 نومبر کو میرا مقدمہ عدالت میں پیش ہوا اور مجھے باعزت بری کر دیا گیا(فالحمد للہ ثم الحمد للہ علیٰ ذالک)۔(وَ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ)

سبحان اللہ ! واقعی وہ خدا بڑا مہربان ہے۔ اپنے بندوں سے بہت پیار کرنے والا ہے۔ وہ دعاؤں کو سنتا ہے۔ کوئی اس کی طرف جھکے تو سہی۔ وہ بہت شفیق ہے۔ کوئی اس کا در کھٹکھٹائے تو سہی۔ کبھی خالی نہ لوٹے گا۔ وہ اپنی رحمت کے خزانوں کو بہت ہی لٹانے والا ہے۔ کوئی سائل تو ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں۔

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس
وہ زباں لاؤں کہا ں سے جس سے ہو یہ کاروبار

چنانچہ ربوہ آنے کے بعد کئی دفعہ خیال آتا تھا کہ تکلیف بہت کم ہوئی ہے اور رب کریم کے پیار کا جلوہ اس کے مقابل بہت زیادہ حاصل ہوا ہے۔ وہ لطف الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔

پیارے آقا کی شفقت و محبت

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اس عاجز سے بہت ہی پیار اور محبت کا سلوک فرماتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ حضور کی الفت و شفقت کا بیان مشکل ہے۔ تاہم مختصراً بیان کئے دیتا ہوں۔ 1970ء کی بات ہے۔ جلسہ سالانہ پر بنگال کے احباب تشریف لائے تھے۔ حضورؒ کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر حضورؒ نے امیر صاحب مشرقی پاکستان کو فرمایا کہ امداد الرحمٰن میرے گھر کے افراد کی طرح ہے۔ وہ اپنے گھر پریشان نہیں ہوتا۔ حضور انورؒ کے یہ کلمات میرا حوصلہ بڑھانے کے لئے کافی تھے۔ اور اس کے بعد جب میں نے حضورؒ سے ملاقات کی تو حضورؒ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''تم بنگالی کب سے ہو؟ تم تو ربوہ میں رہتے ہو''۔ حضور انور کے ان پیار بھرے کلمات میں شفقت اور رحم اور پیار کا پہلو نمایاں تھا۔ حالیہ کیس میں جب مَیں نے لالیاں سے آکر حضورؒ سے ملاقات کی اس وقت بھی حضور نے مجھے کافی تسلی دی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ لاہور قلعہ سے رہائی کے بعد جونہی میں ربوہ پہنچا تو حضورؒ نے اپنے نہایت قیمتی وقت میں سے اس عاجز کو شرف ملاقات بخشا۔ گو حضورؒ اس وقت مصروف تھے۔ ملاقات میں محبت سے گلے لگا لیا اور معانقہ کا شرف بخشا۔ اس معانقہ سے جو لطف حاصل ہوا وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ معانقہ کے ساتھ ہی حضورؒ نے پوچھا (1) کوئی زبردستی بیان تو نہیں لکھوایا؟ (2) کسی سفید کاغذ پر دستخط؟ میں نے عرض کیا کہ کوئی نہیں۔ لیکن مجھے اس بات پر بہت تعجب

ہے کہ اس سے قبل حضورؒ نے سوال کیا 'مار پڑی'؟ میں نے آہستہ سے 'جی ہاں' کہہ کر جواب دیا۔ حضور نے فرمایا 'تھوڑی سی'؟ میں نے عرض کیا 'جی حضور'۔

غالباً حضور کو علم ہو گیا تھا کہ حضور کی دعا قبول ہو رہی ہے۔ ظلم زیادہ نہیں ہو گا۔

اس کیس کے بارے میں میرا یہ خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ حضور نے امور عامہ کو یہ ارشاد فرمایا ہو گا کہ اس کیس کا خیال رکھنا...... لیکن بعد میں جو کچھ معلوم ہوا اس سے حضور کی کمال ہمدردی، شفقت اور پیار بہت واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ مجھے یہ پتہ چلا کہ جونہی میری گرفتاری کی اطلاع حضور انور کو ملی۔ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں امور عامہ کے نمائندگان نے فوراً بھاگ دوڑ شروع کر دی اور رات دس بجے تک لاہور کے وکلاء سے مشورہ کے بعد اگلے دن لاہور ہائی کورٹ میں رِٹ کر دی گئی۔ اور روزانہ اس کیس کے بارہ میں رپورٹ حضورؒ تک پہنچانے کیلئے حضور نے مکرم نورالحق صاحب تنویر اور رشید احمد صاحب نمائندہ امور عامہ کی ڈیوٹی لگا دی تھی۔ چنانچہ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ کئی مرتبہ رات کو جب تنویر صاحب لاہور سے آتے تو حضور کی خدمت میں اپنی کارگزاری کی رپورٹ پیش کرتے تھے۔

آج کے نوجوانوں کو غالباً علم نہیں ہو گا کہ لاہور شاہی قلعہ کی جیل عام جیل کی طرح نہیں تھی۔ ملک دشمن عناصر یا غیر ملکی جاسوس ایسے ملزموں کو یہاں رکھا جاتا تھا اور انتہائی درجہ کا ظلم کیا جاتا تھا تاکہ وہ اپنے جرم کا اقرار کریں۔ خاکسار کو بھی غیر ملکی جاسوس بنا کر پولیس نے کیس بنایا تھا۔ لاہور ہائی کورٹ کے معزز جسٹس شفیع الرحمٰن

صاحب نے میرے بارہ میں فیصلہ دیا کہ مَیں غیر ملکی نہیں ہوں پاکستانی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بچایا ورنہ وہ لوگ ظلم کر کے مجھ سے نہ معلوم کیا کچھ لکھواتے۔

احمدی وکیل مکرم خواجہ سرفراز صاحب نے بتلایا کہ انہیں حضور کے ارشاد پر بہت سے مقدمات لڑنے کا موقع ملا مگر اس کیس کے بارے میں حضورؒ کو جس قدر سنجیدہ اور سخت فکر مند دیکھا اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ مکرم خواجہ سرفراز صاحب نے جو چوہدری اسد اللہ خان صاحب امیر جماعت لاہور کے داماد اور سیالکوٹ کے سابق امیر عبد الرحمٰن صاحب کے فرزند ہیں حلفاً بتلایا کہ جب تک اس کیس کا کام باقی ہوتا وہ اور کوئی کام نہ کرتے تھے۔ حتّٰی کہ جس دن میری رہائی ہوئی یعنی 18 نومبر کو سارا دن صبح سے شام تک انہوں نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ مجھے جیل سے نکال کے ہی کچھ کھائیں گے۔

میرے اس کیس سے حضور کو اور تمام جماعت کو بہت تکلیف تھی۔ مکرم محمود احمد بنگالی صاحب مربی سلسلہ نے بیان کیا کہ کئی دفعہ پرائیویٹ ملاقاتوں میں حضورؒ نے اس عاجز کا ذکر فرمایا۔ اور یہ کہ ایک دفعہ مکرم محمود احمد بنگالی صاحب شام کے وقت کسی کام کے سلسلہ میں حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؒ نے دُور سے دیکھ کر پوچھا امداد الرحمٰن آگیا ہے؟ انہوں نے کہا ابھی تک نہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا تم لوگ پھر کیا لینے آئے ہو۔

میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں حضورؒ کی کمال شفقت، پیار اور ہمدردی کا ذکر بھی کر سکوں۔ اور حضورؒ کا شکریہ بجالا سکوں۔ حضور کے اس عاجز، نالائق اور ناچیز پر بڑے احسانات ہیں۔

اہل جامعہ

اہل جامعہ یعنی اساتذہ اور طلباء جامعہ احمدیہ نے میرے اس حادثہ کو کس شدت اور کرب کے ساتھ برداشت کیا اس کا بیان بھی ممکن نہیں ہے۔ جیل سے نکلنے کے بعد میں نے اپنے لئے جو محبت اہل جامعہ کے دلوں میں دیکھی مَیں اس کے بیان سے قاصر ہوں۔

مَیں 19 نومبر کی رات گاڑی کے ذریعہ ربوہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچا تھا۔ کسی کو اطلاع نہ تھی کہ میں واقعی اسی گاڑی پر آنے والا ہوں۔ اور باوجودیکہ ہوسٹل میں طلباء کو روکا بھی گیا لیکن پھر بھی اسٹیشن پر طلباء کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ اور نہ صرف طلباء و اساتذہ جامعہ بلکہ بہت بڑی تعداد میں دوسرے احباب بھی اسٹیشن پر پہنچ چکے تھے۔ اور پھر وہاں وفور محبت کے باعث جو اسلامی اخوت کے نتیجہ میں تمام احمدیوں کے دلوں میں پیدا ہو چکی تھی طلباء بے اختیار اس عاجز کی طرف دوڑے پڑتے تھے۔...... ابھی گاڑی بھی پوری طرح رکنے نہ پائی تھی کہ پانچ چھ طلباء میرے ساتھ آچمٹے۔ اور پھر قریباً نصف گھنٹہ تک اسٹیشن پر یہ ہنگامہ ٔملاقات جاری رہا۔ ہر کوئی محبت اور پیار کے ساتھ مجھ پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اور مَیں اکیلا ان سب میں حیران...... کہ مجھ گنہگار کے ساتھ اگر یہ سلوک

ہے تو صرف اور صرف احمدیت کے رشتہ کی وجہ سے۔ ورنہ ان میں کوئی بھی تو میرا حقیقی بھائی نہ تھا۔ مگر حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر۔ پھر اس کے بعد دعوتوں کا ایک لمبا سلسلہ چلا۔

الغرض اہل جامعہ نے خصوصاً اور اہل ربوہ نے عموماً اس عاجز، کمزور اور گنہگار خادم احمدیت سے جس پیار، محبت، الفت اور مودّت کا سلوک کیا وہ بے شک اپنی مثال آپ ہے اور اس قسم کا نظارہ صرف الٰہی جماعتوں میں ہی دیکھنے میں آتا ہے کہ تمام دوست ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہوتے ہیں۔ گویا ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء ہوں۔ ایک حصہ میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو درد ہوتا ہے اور ایک بھائی کے غم میں سب برابر کے شریک ہوتے ہیں اور خوشی میں بھی سبھی یکساں۔ اہل جامعہ کا یہ سلوک مجھے موت کے وقت بھی لطف دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو جزائے خیر فی الدارین عطا فرمائے۔ (آمین)

جیل سے رہائی کے بعد کے واقعات

لاہور شاہی قلعہ کے قید خانہ سے لاہور ہائی کورٹ کے فیصلہ کے مطابق بری ہو کر واپس آیا تھا۔ کم از کم تین روز تک بالکل نیند نہیں آئی۔ ذہنی طور پر بہت کمزور ہو گیا تھا۔ تین روز بعد جامعہ احمدیہ ربوہ میں سالانہ تقسیم انعامات کی تقریب منعقد ہوئی۔ سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ تشریف لائے۔ آپؒ نے انعامات تقسیم فرمائے۔ پھر ڈنر یعنی عشائیہ میں شرکت فرمائی۔ اس موقع پر حضور انورؒ کے ساتھ مختلف گروپ فوٹو بنوائے گئے۔ تین گروپ فوٹو میں مجھے شامل ہونے کا موقع ملا۔

(1) الجمعیۃ العلمیہ میں خاکسارالامین ،مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب نائب الرئیس، استاد محترم مولانا غلام باری صاحب سیف رئیس اور محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ تھے۔

(2)دوسرا گروپ ہوسٹل کےPrefect صاحبان کا تھا۔اس میں مَیں بھی بطور prefectشامل تھا۔استاد محترم قریشی نورالحق تنویر صاحب ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ تھے۔

(3)تیسرا گروپ ہوسٹل کی مَیس کمیٹی کے منتظمین کا تھا۔اس میں بھی خاکسار شامل تھا۔الحمدللہ۔بہت دفعہ مَیس مینجر رہا ہوں۔آخر میں مَیس کمیٹی کا صدر بھی رہا ہوں۔یہ تینوں گروپ فوٹو ایک عرصہ تک خاکسار کے پاس تھے لیکن آخر تک سنبھال نہیں سکا۔

خاکسار کے آخری سال میں مَیس اور ہوسٹل کے قواعد وضوابط پر نظر ثانی اور ترمیم واضافہ کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی۔خاکسار اس کمیٹی کا صدر تھا۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت قواعد وضوابط پر نظر ثانی اور ترمیم واضافہ ہم نے کیا تھا۔جس پر ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ صاحب اور ٹیوٹر صاحبان نے مزید درستی کرکے پرنسپل صاحب محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب مرحوم کی خدمت میں پیش کیا تھا اور انہوں نے منظور فرمایا تھا۔

گروپ فوٹو کے وقت حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیکھ کر بڑی شفقت سے فرمایا ”نالائق کمزور ہو کر آیا ہے“۔

جیل کے بعد تو سب ہی لوگ مجھے بہت محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس زمانہ میں تو حضور انورؒ کے ساتھ ساتھ ساری دنیا کی جماعتوں کی دعائیں مجھے ملتی رہیں۔ جزاھم اللہ۔

الجمعیۃ العلمیہ میں خاکسار 'الامین' منتخب ہوا تھا، اس زمانہ میں آخری Period میں طلباء تقریروں کی مشق کرتے تھے۔ صدارت کی کرسی پر مجھے بیٹھنا ہوتا تھا۔

کبھی کبھی باہر سے کسی خاص بزرگ شخصیت کو دعوت دی جاتی تھی کہ وہ جامعہ میں آکر ہمارے طلباء سے خطاب کریں۔ ایک دفعہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ عالمی عدالت کے چیف جسٹس، صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہم نے دعوت دی۔ محترم چوہدری صاحب تشریف لائے اور ہم سے خطاب فرمایا۔ اس کے بعد دوپہر کا کھانا ہوا۔ ایسے مواقع پر محترم پرنسپل صاحب اور دیگر اساتذہ کرام بھی اس تقریب میں شامل ہوتے تھے۔ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے بہت اہم خطاب کیا۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی تقریریں تو UNO میں بھی بہت مشہور تھیں۔

محترم چوہدری صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ مبلغ بن رہے ہیں۔ بہت پڑھائی کریں۔ لیکن یاد رکھیں کہ دلائل سے لوگ قائل تو ہوں گے مگر بیعت نہیں کریں گے۔ بیعت تب کریں گے جب آپ کہیں گے کہ "آپ اگر بیعت کریں تو میری طرح بن سکتے ہیں۔" وہ سوال کریں گے کہ آپ کے اندر کیا بات ہے؟ تب آپ یعنی مربی صاحب کہیں گے کہ 'اللہ تعالیٰ میری دعا سنتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے'۔ واقعی اللہ تعالیٰ

مبلغین کی دعائیں سنتا ہے کیونکہ وہ خلیفہ ٔوقت کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ محض للہ خدمت دین کرتے ہیں۔

حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحبؓ سے متعدد دفعہ ملاقات کا موقع ملتا رہا۔ ایک دفعہ خاص طور پر مقررہ وقت پر حاضر ہو کر ملاقات کی۔ وہ مجھے پہچانتے تھے۔ ان کو خطوط بھی لکھتا رہا۔ ان کی طرف سے ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا جواب بھی میرے پاس موجود ہے۔ جزاھم اللہ۔

جامعہ کے اساتذہ کرام

ہمارے اساتذہ بہت نیک بزرگ عالم تھے۔ ہمارے لئے بہت دعائیں کرتے تھے۔ محترم میر داؤد احمد صاحب پرنسپل تھے۔ ہر ایک طالب علم پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ہر ایک کے حالات کے مطابق ان کی اصلاح تجویز کرتے تھے۔ بہت سے واقعات ہیں۔ صرف ایک دو باتیں بیان کرتا ہوں۔

مغرب کی نماز کے لیے مَیں اکثر مسجد مبارک جایا کرتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کئی دفعہ مغرب کے بعد مسجد میں تشریف فرما ہوتے۔ آپؒ حاضرین سے بے تکلف گفتگو فرماتے۔ بعض دفعہ مزاح کی باتیں بھی ہوتی تھیں۔ پھر مَیں نے دوسری نمازوں پر بھی جانا شروع کیا۔ جامعہ سے مسجد مبارک جانے میں تیز قدم چلیں تو کم از کم 15 منٹ ضرور لگتے ہیں۔ فجر کی نماز کے لیے بھی روزانہ جانا شروع کیا تو محترم میر صاحب نے مبشر احمد کاہلوں صاحب جو prefect تھے ان سے کہا کہ امداد الرحمٰن کو سمجھاؤ۔ کسی

بھی معاملہ میں بہت آگے بڑھنا درست نہیں ہوتا۔ میانہ روی ضروری ہے۔ بعد میں نقصان ہو سکتا ہے۔ جو بہت زیادہ تیز چلتے ہیں ان کے گرنے کا خطرہ رہتا ہے۔ مجھے تو اس امر سے منع کیا گیا کہ اکثر نماز یا روزانہ مسجد مبارک جانا ضروری نہیں ہوتا۔ جبکہ کئی دفعہ بعض طلباء کیلئے حکم ہوتا تھا کہ اتنے روز اتنی نمازیں مسجد مبارک میں جا کر پڑھنا ہوں گی۔

میر صاحب کبھی کبھی ذاتی طور پر شکار پر جاتے تھے۔ مجھے بھی ایک دفعہ ساتھ لے گئے۔ ایک دو اور اساتذہ اور طلباء بھی ساتھ تھے۔ سید میر محمود احمد ناصر صاحب بھی ساتھ تھے۔ ہر ایک طالب علم سے ان کا ذاتی تعلق تھا۔ ہر ایک کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ ہر ایک کے حالات کے لحاظ سے ان سے معاملہ کرتے تھے۔

ابتدا میں پڑھائی مشکل ہونے کی وجہ سے خاکسار افسردہ رہتا تھا۔ میر صاحب مجھے والدین سے ملنے ڈھاکہ بھجوانا چاہتے تھے۔ خاکسار 1968ء میں جامعہ میں داخل ہوا تھا۔ دوسرے بنگالی طلباء بھی تین سال بعد ایک دفعہ اپنے وطن ہو آتے تھے۔ میں نے درخواست نہیں کی تھی کیونکہ مجھے تو گھر سے نکالا گیا تھا۔ میر صاحب نے از خود حضور انورؒ سے اجازت لے کر 1971ء میں مجھے والدین سے ملنے بھیجا۔ اگست 1971ء میں مَیں ڈھاکہ آیا اور بہت جلدی واپس چلا گیا کیونکہ یہاں حالات بہت خراب تھے۔ پاکستانی فوج اور جماعت اسلامی کے لوگ بنگالیوں پر بہت ظلم کر رہے تھے۔ بہاری قوم کے لوگ جو 1947ء میں بہار سے مشرقی پاکستان میں آکر آباد ہوئے تھے، یہ بہاری

لوگ بنگلہ دیش کی آزادی کے خلاف تھے۔ یہ لوگ پاکستانی فوج کی حمایت کر رہے تھے اور بنگالیوں پر بہت ظلم کر رہے تھے۔ خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی۔

محترم سید میر داؤد احمد صاحب 1972ء میں انتقال کر گئے۔ آپ کے بعد محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ پرنسپل جامعہ مقرر ہو گئے۔ آپ بہت پاک وصاف دل، عالم باعمل بزرگ انسان تھے۔ ملک صاحب احمدیت سے پہلے ہی عالم اور مجاہد شخص تھے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے ساتھ آپ کا تعلق تھا۔ بعد میں احمدی ہوئے اور زندگی وقف کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے آپ کو جامعہ احمدیہ کا استاد مقرر فرمایا تھا۔

محترم ملک سیف الرحمٰن صاحب کی پاک طبیعت کے بارہ میں دو واقعات کا ذکر کرتا ہوں۔ محترم ملک صاحب نے جب تعلیم حاصل کرنا شروع کی تو اس زمانہ میں ایسا مدرسہ نہیں ہوتا تھا جیسے بعد میں ہوا۔ اس زمانہ میں کسی ایک عالم کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کرنی ہوتی تھی۔ ملک صاحب کے ساتھ اور بھی لڑکے پڑھتے تھے۔ وہ قلم دوات کا زمانہ تھا۔ سیاہی کی دوات ساتھ رکھنی ہوتی تھی۔ ایک دن ایک لڑکے نے اپنی سیاہی محترم ملک صاحب کی قمیض پر گرادی۔ ملک صاحب کو یہ بات اتنی بری لگی کہ وہ وہاں سے پڑھائی چھوڑ کر واپس چلے آئے۔

ہماری کلاس میں ایک دفعہ ایسا واقعہ ہوا کہ درجہ اولیٰ میں ہم پڑھتے تھے۔ ملک صاحب ہمیں صَرف و نحو پڑھاتے تھے۔ ہماری کلاس میں ایک لڑکا بہت شرارتی تھا۔ ایک روز محترم ملک صاحب ہمیں پڑھارہے تھے۔ وہ لڑکا پیچھے کی کھڑکی سے باہر نکل

گیا۔ تھوڑی دیر میں ملک صاحب نے اس لڑکے کے بارہ میں پوچھاتو ساتھ والے لڑکے نے بتایا کہ وہ کھڑکی سے چھلانگ لگا کر باہر چلا گیاہے۔ محترم ملک صاحب خاموشی سے کلاس چھوڑ کر چلے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ملک صاحب بیمار ہو کر گھر چلے گئے ہیں۔ شام کو میں اور دو طلباء ملک صاحب کے گھر گئے۔ دیکھا واقعی ملک صاحب بیمار ہیں۔ نہایت پاکیزہ فطرت ملک صاحب اس لڑکے کی شرارت برداشت نہ کر سکے۔ وہ لڑکا ایک دو سال بعد جامعہ چھوڑ گیا تھا حالانکہ وہ بہت ذہین تھا اس کے والد صاحب بھی بہت نیک تھے۔ ایسے واقعات محترم ملک صاحب کی زندگی میں اور بھی ہیں۔ آپ نہایت پاک فطرت بزرگ انسان تھے۔

حضرت مصلح موعودؓ بہت اونچے درجہ کے امامِ زمانہ اور نہایت دُور بین نگاہ رکھنے والے لیڈر اور قوم کے معمار تھے۔ 1947ء میں ہندوستان آزاد ہوا اور پاکستان الگ ملک بنا۔ حضورؓ نے فیصلہ فرمایا کہ احمدیت کا مرکز قادیان عارضی طور پر چھوڑ کر پاکستان میں آ کر نیا مرکز بنانا ہے۔ حضورؓ نے شروع میں بڑے بڑے جیّد علماء کرام کا ایک گروپ پاکستان بھجوا دیا تھا۔ باقی سب نے آہستہ آہستہ آنا تھا۔ حضورؓ نے علماء کے اس گروپ کو فرمایا کہ آپ پہلے چلے جائیں۔ باقی ہم سب بعد میں آ رہے ہیں۔ اگر ہم پاکستان پہنچ نہ سکے تو آپ سب مل کر احمدیت کی حفاظت کریں گے۔ یہ باتیں ملک صاحب نے ہماری کلاس میں بیان کی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کوئی شبہ کی بات نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خلیفۂ وقت یا زمانہ کے امام کے ساتھ بہت سے گہرے اور ثقہ علم والے علماء کی اشد ضرورت ہوتی ہے تا کہ کماحقہٗ خلیفۂ وقت کے کام میں مدد کر سکیں۔ محترم ملک صاحب

کے ساتھ اور بھی علماءِ کرام تھے۔ جن میں مولوی محمد صدیق صاحب لائبریرین (خلافت لائبریری ربوہ) بھی تھے۔ ہم خلافت لائبریری میں بہت جایا کرتے تھے۔ مولوی صدیق صاحب سے اکثر ملاقات ہوتی تھی۔ اہم باتوں پر ان سے گفتگو بھی کرتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز مختلف ملکوں میں جامعہ احمدیہ کھول رہے ہیں۔ آئندہ زمانہ آرہا ہے کہ ہزاروں ہزار مربیان اور مبلغین کی ضرورت پڑے گی۔ محترم ملک صاحب کس طرح ہماری تربیت کرتے تھے تفصیل میں جانا ممکن نہیں۔ ایک دو اَور باتیں لکھتا ہوں۔

ایک دفعہ خاکسار خلافت لائبریری کی طرف سے گولبازار میں سے گزر کر جامعہ کی طرف جارہا تھا۔ محترم ملک صاحب سائیکل پر خلافت لائبریری کی طرف جارہے تھے۔ آپ مجھے دیکھ کر آگے نکل گئے۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ملک صاحب سائیکل سے اتر کر میری طرف آرہے ہیں۔ میں نے مڑ کر آپ کی طرف رخ کیا۔ قریب آکر آپ نے مجھے کہا کہ "بہت ضروری معاملہ ہے۔ خاص توجہ سے میرے لئے دعا کریں"۔ پھر آپ سائیکل پر بیٹھ کر واپس چلے گئے۔ میں تو رو پڑا۔ میں تو کچھ نہیں ہوں۔ چھوٹا سا لڑکا ہوں۔ اور آپ اتنے بڑے بزرگ انسان ہیں۔ آپ مجھے دعا کے لئے کہہ رہے ہیں۔

ہم درجہ ثالثہ میں تھے۔ آپ صرف و نحو پڑھاتے تھے۔ مکرم مرزا محمد الدین ناز صاحب صَرف و نحو کے نئے استاد مقرر ہوئے۔ ملک صاحب کے ساتھ ناز صاحب بھی کلاس میں آتے تھے۔ بعد میں ناز صاحب نے پڑھانا شروع کیا تھا۔

ایک دفعہ لگاتار تین روز تک ملک صاحب اپنی زندگی کے واقعات ہمیں سناتے رہے۔ ایک دن کسی بات سے یہ بات یاد آئی کہ لاہور اسٹیڈیم میں سالانہ Horse and Cattle Show ہوتا تھا۔ اس سال اگر کوئی جانا چاہے تو میں نے اپنے خرچ پر اس کو بھیجنا ہے۔ میں جلدی سے کہہ اٹھا کہ میں جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میرے لاہور جانے کا فیصلہ ہو گیا۔ اگلے روز میں نے کہا کہ اگر میں اکیلا جاؤں گا تو دل نہیں لگے گا، کوئی ساتھ ہونا چاہئے۔ ملک صاحب نے کہا ٹھیک ہے۔ آپ کس کو ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا مغفور احمد منیب صاحب کو۔ وہ میرے دوست ہیں مَیں ان کو ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ ملک صاحب نے منظوری دے دی۔ مغفور احمد منیب صاحب جاپان میں دس سال مبلغ انچارج رہے ہیں۔ اب ربوہ میں جاپانی ڈیسک کے انچارج ہیں۔

جب لاہور جانے کا دن قریب آیا تو روپیہ کی بات آئی۔ محترم ملک صاحب نے فرمایا آپ میرے نمائندہ کے طور پر جا رہے ہیں آپ نے تھرڈ کلاس میں سفر نہیں کرنا بلکہ فرسٹ کلاس میں سفر کرنا ہے۔ میلے میں بھی فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لینا ہے۔ ہم لاہور میں جماعت کے مرکز دارالذکر میں رہے اور میلہ دیکھ کر واپس آئے۔ الحمد للہ۔

جامعہ احمدیہ ربوہ نے مبلغین کو ایسے مضبوط دل اور ایسے سمجھدار بنایا ہے کہ جہاں بھی جائیں ہر حال میں اپنے آپ کو تیار کر کے ذمہ داری ادا کر سکیں۔ افریقہ کے

جنگل میں ہوں یا کسی ملک کے صدر مملکت کے مہمان خانہ میں یا دعوت میں ہوں کسی جگہ بھی ہوں مثبت اور مناسب کردار ادا کرسکتے ہیں۔

محترم ملک مبارک احمد صاحب (دوالمیال ۔ جہلم) مرحوم ہمیں انشاء پردازی پڑھاتے تھے۔ انشاء عربی کا سب سے مشکل مضمون ہے۔ یعنی عربی جملہ میں یا فقرے میں کسی لفظ کے آخری حرف پر کیا حرکت ہو گی پیش ہو گی یا زبر ہو گی وغیرہ۔ محترم ملک مبارک صاحب جامعہ الازہر مصر سے عربی کی تعلیم حاصل کر کے آئے تھے۔ بہت صاف، سیدھے ، بے تکلف اور غریب مزاج بزرگ شخصیت کے مالک تھے۔ طلباء سے بہت شفقت و محبت کرتے تھے۔ کوئی لڑکا شرارت کرے تو بہت ناراض ہوتے تھے۔ ان کی ناراضگی کے خوف سے لڑکے شرارت سے باز رہتے تھے۔

خاکسار جب ربوہ گیا تو ملک صاحب ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔ آپ کے ذمہ عربی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کا ترجمہ کرنا ہوتا تھا۔ بعد میں تفسیرِ کبیر کا ترجمہ بھی شروع کیا۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ کی ذمہ داری ان سے لے کر محترم قریشی نور الحق تنویر صاحب کو دے دی گئی ۔ محترم ملک مبارک صاحب بعد میں قائم مقام پرنسپل بھی رہے۔ کئی دفعہ عید کے روز ان کے گھر جاتا تو آپ سویّوں سے تواضع کرتے تھے۔ ان کے بیٹے منور احمد صاحب کچھ عرصہ قبل کسی کام سے ڈھاکہ آئے تھے۔ آپ بہت محبت سے ملے۔ پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔

قریشی نور الحق تنویر صاحب بھی قاہرہ یونیورسٹی مصر سے عربی ادب میں ایم۔ اے فرسٹ کلاس لے کر کامیاب ہوئے تھے۔ آپ ہمیں عربی ادب پڑھاتے تھے۔ عربیPeriod میں عربی بولنا ضروری ہوتا تھا۔

ہمارے تمام اساتذہ وقت کی بہت پابندی کرتے تھے۔ عین وقت پر کلاس میں آتے، بہت نرم زبان میں بات کرتے مگر کلاس میں سارا وقت پڑھائی میں گزرتا اور ماحول خوشگوار رہتا تھا۔

محترم نور الحق تنویر صاحب نے ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ بننے کے بعد ہوسٹل میں Prefects کا نظام جاری کیا تھا۔ اوپر کی پانچ کلاسز میں سے پانچ طلباء کوPrefect بنایا جاتا تھا۔ خاکسار کو 3 یا4 سالPrefect کے طور پر محترم تنویر صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا جس سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ ہوسٹل میں طلباء کی نگرانی ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ کی طرف سے ہمیں کرنی ہوتی تھی۔ تنویر صاحب مغرب عشاء کے بعد تک ہوسٹل میں رہتے۔ باقی وقت ہمیں نگرانی کرنی ہوتی تھی۔ کون شرارت کر رہا ہے یا پڑھائی نہیں کر رہا وغیرہ۔

ہمارے اساتذہ طلباء سے ''آپ'' کہہ کر مخاطب ہوتے تھے۔ کبھی کبھی کسی خاص موقع پر کسی کو بے تکلفی سے تم کہتے ورنہ ''آپ'' کہہ کر مخاطب ہوتے۔ کوئی لڑکا اگر ضابطہ کی خلاف ورزی کرتا تو اس کو سزا ہوتی مگر سزا سے قبل سمجھایا جاتا۔ اقرار کروایا جاتا کہ اسی نے یہ خلاف ورزی کی ہے۔ شرارت کرنے والا عام طور پر مانتا نہیں تھا لیکن محترم تنویر صاحب نہایت صبر سے بہت سمجھاتے تھے۔ آپ سمجھاتے وقت غصہ میں نہ

آتے۔ میں ان کا حلم اور نرمی دیکھ کر بہت تعجب کرتا کہ اتنی دیر تک نرمی سے سمجھاتے رہنا، غصہ نہ ہونا بڑی غیر معمولی بات تھی۔ خاکسار لمبا عرصہ آپ کے ساتھ کام کرتا رہا۔ اس سے خاکسار کو بہت فائدہ ہوا۔

ہمارے زمانہ میں پرانا ہوسٹل گرا کر نیا ہوسٹل بنایا گیا تھا۔ جامعہ میں باقاعدہ مسجد نہیں تھی ۔ نئ مسجد بنائی گئی ۔ مسجد کا نام مسجد حسن اقبال رکھا گیا۔ خاکسار توجہ سے تعمیرات کا کام دیکھتا رہا۔ تعمیرات کے انجینئر اور معماروں سے بہت اچھا سلوک کیا جاتا تھا ۔ اس حسنِ سلوک سے سب لوگ بہت محبت سے اور محنت سے کام کرتے تھے۔

اساتذہ کرام مجھ سے بہت زیادہ شفقت کا سلوک فرماتے تھے ۔ میرے شاہی قلعہ لاہور کی اسیری کے زمانہ میں محترم تنویر صاحب اور امورِ عامہ کے چوہدری رشید احمد صاحب میرے مقدمہ کے سلسلہ میں بہت بھاگ دوڑ کرتے رہے۔ میرے بارہ میں حضور انورؒ کی فکر مندی دیکھ کر سب ہی لوگ میرے ہمدرد اور دعا گو بن گئے تھے ۔ چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب ناظر امور عامہ تھے ۔ مجھے یقین ہے کہ اس زمانہ سے شروع کر کے اب تک تمام احبابِ جماعت مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں سب احمدی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے ۔ اس زمانہ کے تعلقات کبھی پرانے نہیں ہوں گے۔ انشاءاللہ۔

محترم مولانا محمد احمد جلیل صاحب مرحوم ہمیں حدیث پڑھاتے تھے ۔ بہت دلچسپ انسان تھے، رعب دار تھے لیکن ہمیں بہت ہنساتے تھے ۔ جامعہ کے احاطہ میں ان کا رہائشی کوارٹر تھا۔ آندھی وغیرہ یا غیر معمولی حالات ہوں تو ہوسٹل میں آتے تھے۔

لڑکوں کے حال احوال پوچھتے تھے۔ نماز باجماعت کے اس قدر پابند تھے کہ اگر کوئی نماز باجماعت نہ ملی ہوتی تو ہوسٹل آکر آوازیں دیتے کہ کوئی ہے میری طرح جس کی نماز رہ گئی ہے تو آجاؤ ہم نماز باجماعت ادا کرلیں۔ تمام طلباء کو ہفتہ وار فارم بھرنا ہوتا تھا کہ نماز باجماعت کتنی پڑھیں اور کتنے گھنٹے پڑھائی وغیرہ کی، رپورٹ فارم پر پُر کرکے دینی ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اساتذہ کو جنت نصیب کرے۔ (آمین)

محترم مولانا محمد احمد ثاقب صاحب بڑے مخلص اور بزرگ عالم تھے۔ بہت نرم طبیعت کے استاد تھے، ہمیں فقہ پڑھاتے تھے۔ آپ ساری باتوں کو کھول کر سمجھاتے تھے۔ نرم طبیعت کے مالک تھے۔ پڑھائی کے بغیر ہم وقت گزار نہیں سکتے تھے۔ اساتذہ کرام کی طبیعت میں نیکی تھی، تعلق باللہ تھا۔ طلباء کے دلوں میں اساتذہ کرام کا بہت احترام تھا۔ اساتذہ کرام کی شخصیت اور نہایت اعلیٰ اخلاق ہماری تربیت پر بہت مفید اثر ڈالتے تھے۔

محترم مولانا غلام باری سیف صاحب ہمیں کلام پڑھاتے تھے۔ لبنان سے حدیث پڑھ کر آئے تھے۔ بہت شاندار تقریر کرتے تھے۔ جلسہ سالانہ پر آپ کی تقریر ہوتی تھی۔ طلباء کو بہت امیدیں دلاتے تھے کہ تم بڑے ہو کر بڑے بڑے کام کروگے۔ محترم سیف صاحب دیانت گروپ کے انچارج تھے۔ مکرم محمود احمد بنگالی صاحب بھی اور میں بھی دیانت گروپ کے ممبر تھے۔

محترم مولانا غلام باری سیف صاحب آخری کلاس کے طلباء کو تبلیغی سفر پر لے جاتے تھے۔ جن جماعتوں میں ہم نے جانا ہوتا ناظر صاحب اصلاح وارشاد کی طرف سے

ان کو پہلے اطلاع دی جاتی تھی۔ ایک ہفتہ یا دس دن کے سفر میں متعدد جماعتوں میں جاتے تھے۔ جس سال ہم تبلیغی سفر پر گئے ایک گاؤں میں بعد دوپہر تبلیغی جلسہ ہو رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ کچھ شر پسندوں نے فتنہ فساد کرنے کے لئے ہمارے جلسہ گاہ کا گھیراؤ کر لیا ہے۔ ایک ایک کر کے ہم طلباء تقریریں کر رہے تھے۔ آخر میں مولانا غلام باری سیف صاحب کی تقریر تھی۔ مولانا صاحب تقریر کر رہے تھے اور ہم دعائیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور مولانا صاحب موصوف نے سیرۃ النبیؐ پر ایسی پُر اثر تقریر کی کہ ان کی تقریر ختم ہونے تک شر پسند عناصر آہستہ آہستہ جلسہ گاہ چھوڑ کر دور چلے گئے۔ جو غیر احمدی شرفاء جلسہ سن رہے تھے مولانا صاحب کی تقریر سے بہت متأثر ہو کر کہنے لگے ایسی شاندار تقریر ہم نے کبھی نہیں سنی۔ سبحان اللہ۔ الحمدللہ۔

بعض بڑے عالم اور بزرگ مبلغین بیرونی ممالک سے ربوہ آتے تو جامعہ میں پڑھاتے تھے۔ مولانا چوہدری محمد شریف صاحب ہمیں کچھ عرصہ تفسیر پڑھاتے رہے۔ آپ فلسطین میں 19 سال بطور مبلغ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ آپ عجیب طرز کے بزرگ تھے۔ کلاس میں داخل ہوتے 'السلام علیکم' کہتے۔ یہ سب ہی استاد کہتے تھے۔ کرسی پر بیٹھتے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حاضری رجسٹر کھولتے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جیب سے قلم نکالتے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حاضری لینا شروع کرتے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تقریباً ہر حرکت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتے تھے۔

چوہدری محمد شریف صاحب جیسے اور بعض اساتذہ بھی کچھ عرصہ جامعہ میں پڑھاتے رہے جو باہر کے ملکوں میں بطور مبلغ خدمت کرتے رہے۔ کچھ عرصہ کے لئے

ربوہ میں آئے تو جامعہ میں پڑھانے پر مقرر کئے گئے۔ جیسے مولانا نور الحق انور صاحب مبلغ امریکہ، مولانا فضل الٰہی بشیر صاحب مبلغ ماریشس و فلسطین، مولانا شیخ نصیر الدین صاحب مبلغ انچارج نائجیریا مغربی افریقہ۔ مولانا شیخ نصیر الدین صاحب تو بہت سادہ طبیعت کے آدمی تھے۔ بزرگ عالم تھے۔ ان کو بار بار امتحان دینے کا شوق تھا۔ جہاں ان کو اندازہ ہوتا کہ شاید تین سال تک وہ وہاں رہیں گے مقامی یونیورسٹی میں ایم۔اے میں داخلہ لے لیتے۔ کبھی انگریزی میں کبھی عربی میں ایم۔اے پاس کرتے۔ سب ہی اساتذہ کی بزرگی، سادگی اور علم سے شغف، سلسلہ کے لئے فدائیت، خلفاء کرام کا احترام ایسی بہت سی باتیں ان میں تھیں کہ ان کو دیکھ کر طلباء بہت متأثر ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے۔ (آمین)

آخر میں محترم سید میر محمود احمد ناصر صاحب جو محترم سید میر داؤد احمد صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں ان کے بارہ میں چند باتیں لکھتا ہوں۔ محترم سید میر محمود احمد ناصر صاحب کتنے گہرے علم اور کتنے زیادہ باریک تقویٰ شعار بزرگ انسان ہیں میں بیان نہیں کر سکتا۔ میری طبیعت پر میر صاحب کی تربیت کا بہت گہرا اثر ہے۔ بہت لمبے عرصہ سے ان سے تعلقات قائم ہیں۔ ان سے مجھے بہت محبت ہے۔ میر صاحب ہر وقت پڑھتے رہتے ہیں۔ بہت تکلیف بھی ہوتب بھی کلاس میں پڑھانے آتے تھے۔ رخصت نہیں لیتے تھے۔ بہت سی باتیں ہیں سب باتیں بیان کرنا ممکن نہیں۔ چند باتوں کا یہاں ذکر کرتا ہوں۔

ایک دفعہ میں جلسہ سالانہ کی ڈیوٹی پر میر صاحب کی نگرانی میں کام کر رہا تھا۔ ایک دن دفتری ٹیبل پر سے Stapler لے کر لفافہ پر Staple کرنے لگا۔ میر صاحب نے پکڑ لیا۔ یہ لفافہ کیسا ہے۔ ذاتی چٹھی ہے یا جلسہ سالانہ کی ہے۔ قسمت میری اچھی تھی ۔ چٹھی یعنی لفافہ جلسہ سالانہ کے کاموں سے متعلق تھا۔ میر صاحب نے کہا ذاتی چٹھی ہو تو کاغذ، لفافہ اور Stapler دفتر کا استعمال نہیں کرنا۔

بیمار ہوتے تب بھی کلاس میں آکر پڑھاتے تھے۔ ایک دفعہ بہت زیادہ بیمار ہوئے ۔ جامعہ میں نہیں آئے۔ میں موقع پا کر ان کی رہائش گاہ پر بعد عصر پہنچ گیا۔ ان دنوں ان کا اپنا مکان نہیں بنا تھا۔ آپ قصرِ خلافت کے ایک حصہ میں رہتے تھے ۔ دیکھا کہ میر صاحب پلنگ پر لیٹے ہوئے ہیں اور تفسیرِ کبیر پڑھ رہے ہیں۔ آنکھیں سرخ ہیں۔ مسلسل ناک سے آنکھوں سے نزلہ زکام گر رہا ہے۔ بات نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے پوچھا اتنی تکلیف میں آپ تفسیر کیسے پڑھ رہے ہیں ؟ کہنے لگے کہ تکلیف بہت زیادہ ہے۔ برداشت نہیں کر سکتا۔ تفسیر پڑھنے سے تکلیف کا احساس بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ سبحان اللہ !

ایک دفعہ بہشتی مقبرہ میں کسی بزرگ کی تدفین پر گئے۔ تدفین کی تیاری ہو رہی تھی ۔ ہم باتیں کر رہے تھے جبکہ محترم میر محمود احمد ناصر صاحب تھوڑی دور جا کر کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔

عام طور پر تقریر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے ۔ ماہِ رمضان میں مسجدِ مبارک میں روزانہ ایک پارہ کا درسِ قرآن ہوتا تھا۔ ایک دن درس محترم میر صاحب نے دیا۔ سورۃ الاحزاب کا درس تھا۔ پورا مضمون مجھے اب تک یاد ہے۔ میر صاحب بہت مختصر

بات کرتے رہے اور قریباً 4-5 آیات کا صرف ترجمہ پڑھ دیا اور کہا کہ یہ آیت اس موقع پر کیوں آئی ہے مجھے سمجھ نہیں آئی۔ کتنے بڑے عالم ہیں جو ایسی بات کر سکتے ہیں۔ مَیں تو بہت سالوں تک مسجدِ مبارک میں رمضان المبارک میں درس سنتا رہا۔ بڑے بڑے علماء کرام درس دیتے رہے۔ میرے نزدیک یہ بہت ہی دلچسپ بات تھی کہ کون کون عالم کیسے کیسے تفسیر بیان کرتے ہیں۔ مولانا قاضی محمد نذیر لائلپوری صاحب، مولانا ابو العطاء جالندھری صاحب، مولانا عبد المالک خان صاحب، مولانا ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا و روس، حضرت مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی رضی اللہ عنہ، مولانا دوست محمد شاہد صاحب، مولانا غلام باری سیف صاحب، محترم ملک مبارک احمد صاحب، شیخ نور احمد منیر صاحب، چوہدری محمد شریف صاحب وغیر ھم۔ کاش ساری عمر ایسے ہی درس القرآن سننے کا موقع ملتا۔

محترم میر محمود احمد ناصر صاحب کے ساتھ بہت محبت کا تعلق ہے۔ میر صاحب بھی مجھ سے پیار اور شفقت کی نظر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میر صاحب نے ربوہ میں نوجوان علماء کی ایک جماعت تیار کی ہے۔ ویسے تو ربوہ سے فارغ التحصیل دنیا میں پھیلے ہوئے اکثر مبلغین ان کے شاگرد ہیں۔ ماشاء اللہ۔

ربوہ کے زمانہ میں ایک دفعہ مَیں نے میر صاحب سے درخواست کی کہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب 'کرامات الصادقین' پڑھائیں۔ انہوں نے کہا کہ بعد عصر مسجد مبارک میں روزانہ ایک صفحہ پڑھائیں گے۔ کچھ عرصہ تو پڑھتا رہا۔ پھر کوئی ایسی بات ہوئی کہ سلسلہ جاری نہیں رہ سکا۔

دسمبر 2005ء میں جلسہ سالانہ پر خاکسار کو اپنی اہلیہ صاحبہ کے ساتھ قادیان جانے کا موقع ملا تھا۔ بہت سالوں بعد مسجد مبارک میں میر محمود احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے کو بلایا اور میری طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ ان کو جانتے ہو یا نہیں؟ بیٹے نے نفی میں سر ہلایا۔ جب ہم ربوہ میں ہوتے تھے تو میر صاحب کے یہ بیٹے زیادہ چھوٹے تھے۔ اس لیے ان کو یاد نہیں رہا۔ ورنہ میر صاحب کے بڑے بیٹوں سے واقفیت ہے۔ میر صاحب نے اپنے بیٹے سے کہا کہ 'ان کو نہ جاننے سے تو گناہ ہو گا'۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے ایسی بات نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔

میر صاحب نے مجھ پر ایک خاص مہربانی کی جب 2008ء میں جامعہ احمدیہ ربوہ کا صدسالہ جوبلی کا یادگار مجلہ شائع ہوا۔ میر صاحب نے میرا فوٹو مجلہ میں شائع کیا اور میرے نام کے نیچے لکھا پرنسپل جامعہ احمدیہ بنگلہ دیش۔ میر صاحب نے مجھے فوٹو بھجوانے کے لئے پیغام بھجوایا۔ اور میرے فوٹو کا قریباً تین دن انتظار کیا۔ میرا فوٹو جب ان کو موصول ہوا تب یہ مجلہ شائع فرمایا۔ جزاھم اللہ۔ میر صاحب سے بہت ملاقات ہوتی رہی۔ جب بھی وہ کہیں غلط بات دیکھتے میرے کان میں بتاتے کہ یہ بات یوں نہیں بلکہ یوں ہے۔

تمام دنیا کے مربیان و مبلغین کرام ان اساتذہ کرام کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اس زمانہ کی باتیں ہم کبھی نہیں بھولیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ربوہ کی عزت کو بلند کرتا رہے۔ (آمین)

ربوہ رہے کعبہ کی بڑائی کا دعا گو
کعبہ کی پہنچتی رہیں ربوہ کو دعائیں

خاکسار اساتذہ کرام کے علاوہ جماعت کے بزرگان سے حسبِ موقع ملاقات کر کے دعا کی درخواست کرتا تھا اور مختلف امور پر سوالات کر کے علم حاصل کرتا تھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (خلافت سے قبل)، صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب، محترم مرزا عبد الحق صاحب امیر ضلع سرگودھا اور امیر صوبہ پنجاب، مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری، مولانا قاضی محمد نذیر صاحب وغیرھم۔ ایک دفعہ مولانا ابو العطاء صاحب سے وقت لے کر ان کے گھر جا کر ملا اور بعض ضروری سوالات پوچھے۔ جامعہ ہوسٹل میں بھی ایک دفعہ انہیں بلایا تو مولانا صاحب موصوف پہلے نظامِ وصیت کے قواعد بیان کرتے رہے۔ بعد میں سوالات کے جواب دیئے۔

جامعہ کی آخری کلاس کے طلباء کو بعض دفعہ ربوہ سے باہر کی جماعتوں میں تقریر کے لئے بھجوایا جاتا تھا۔ ایک دفعہ یوم مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے جلسہ پر محترم مولانا ابو العطاء صاحب لاہور گئے۔ ان کے ساتھ جامعہ کے طالب علم کے طور پر خاکسار کو جانے اور تقریر کرنے کا موقع ملا۔ ان کے ساتھ سفر کے دوران کئی باتوں کا علم ہوا۔ الحمد للہ۔

ایک دفعہ استاذی المکرم مولانا غلام باری سیف صاحب نے بتایا کہ ان کے پاس صاحبزادہ عبد اللطیف شہید کابل کے بارہ میں ایک کتاب ہے۔ ایسی کتاب جو باہر کہیں

نہیں ملتی تھی۔ خاکسار نے وہ کتاب پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ استاد محترم مولانا سیف صاحب موصوف نے کہا کہ اگر میری کتاب پڑھنی ہے تو میرے گھر آکر میری ذاتی لائبریری میں بیٹھ کر پڑھنی ہوگی۔ کتاب اس کمرہ سے باہر نہیں نکل سکتی۔ چنانچہ میں کئی دن تک ان کے گھر جاکر پڑھتا رہا۔ اس طرح بزرگان کے پاس جاجاکر ہم تربیت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ الحمدللہ۔

محترم عبد الرحمان خان صاحب بنگالی مبلغ انچارج امریکہ بہت بزرگ انسان تھے ۔ کلکتہ سے B.A.L.L.B فرسٹ کلاس میں مکمل کیا تھا۔ فوری طور پر ڈپٹی کمشنر کی نوکری مل سکتی تھی ۔ لیکن زندگی وقف کرکے قادیان آئے۔ اس کے بعد ربوہ میں سکول ٹیچر بن کر درویش کی طرح زندگی گزار رہے تھے ۔ بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ان کو امیر و مبلغ انچارج بناکر امریکہ بھیجا۔ جب خان صاحب چھٹیوں پر ربوہ آتے تو میں ملاقات کرتا رہا۔ بہت نیک باادب بزرگ انسان تھے۔

چوہدری مظفر الدین بنگالی صاحب بھی زندگی وقف کر کے ربوہ میں جماعتی خدمات پر مامور رہے۔ قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ پھر اس کی اشاعت پر کام کرتے رہے۔ ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹر رہے۔ آپ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہے۔ کچھ عرصہ ڈھاکہ مشن ہاؤس میں امیر صاحب بنگال کے سیکرٹری رہے۔ ان کی کوشش سے ڈھاکہ نیشنل ہیڈکوارٹر کی موجودہ جگہ خریدی گئی تھی۔ بہت بزرگ اور دعاگو تھے۔ خاکسار ان سے بار بار ملاقات کرتا رہا۔ وہ میرے لیے بہت دعاکرتے رہے۔ تعلیم وتربیت بھی دیتے رہے۔ آپ ذاتی طور پر ہومیوپیتھی علاج

کرتے تھے، کسی سے دوائی کی قیمت نہیں لیتے تھے۔ بزرگان سے خاکسار نے جو تعلیم حاصل کی وہ تفصیل سے بیان کرنا ممکن نہیں۔ بزرگان کی صحبت سے مستفیض ہوئے بغیر انسان اپنی سیرت درست نہیں کر سکتا۔

صحابہ کرام سے ملاقاتیں

جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام سے ملاقات کر کے دعائیں لیتا رہا۔ بہت سے صحابہ کرام سے ملاقات کر کے دعا کی درخواست کرتا رہا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی صحابی سے دوسری دفعہ جب ملاقات کی تو انہوں نے مجھے نہیں پہچانا۔ یعنی ایک دفعہ ملاقات کے بعد وہ بھولتے نہیں تھے۔ کیونکہ وہ دعائیں کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیٹوں سے ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔ حضور علیہ السلام کے بڑے بیٹے صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نومبر 1965ء میں انتقال فرما گئے تھے اور خاکسار اپریل 1966ء میں احمدیت میں داخل ہوا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کو دعا کے لئے خط لکھتا رہا۔ کبھی کبھی خط کا جواب بھی ملتا تھا۔ ان کے پوتے نواب منصور احمد خان صاحب مجھ سے سینئر کلاس میں پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے نواب منصور خان صاحب کی زبانی مجھے پیغام بھجوایا تھا۔ پیغام یہ تھا کہ دعاؤں کی قبولیت کے لئے لمبا عرصہ صبر سے انتظار کرنا ہوتا ہے۔ جلدی نہیں کرنی چاہیے۔

1976ء میں جب ہم درجہ خامسہ میں آئے تو خاکسار نے کلاس میں اول پوزیشن حاصل کی تھی۔ میرے جیسے نالائق کے لیے اپنی کلاس میں سالانہ امتحان میں اول پوزیشن حاصل کرنا بہت غیر معمولی بات تھی۔ اس وقت مجھے نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پیغام یاد آیا۔ میرا خیال ہے نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کی دعاؤں سے ہی مجھے کلاس میں اول پوزیشن حاصل ہوئی تھی۔

جب مَیں آخری کلاس میں تھا تب میر محمود احمد ناصر صاحب کی معرفت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ سے ملاقات کے لئے درخواست کی۔ لیکن ان کی عمر زیادہ ہونے کے باعث ان کی صحت ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ اس لیے ملاقات نہیں ہو سکی۔

بہت کوشش کر کے صحابہ کرام سے ملاقات کی کوشش کرتا رہا۔ ایک ڈائری میں ان صحابہ کرام کے نام نوٹ کئے تھے۔ یاد ہے کہ 33 صحابہ کرام سے ملاقات کر کے دعا کی درخواست کرتا رہا۔ اب تو وہ ڈائری کہاں غائب ہو گئی یاد نہیں ہے۔ بعض بزرگ صحابہ کرام کا مختصر ذکر کرتا ہوں۔

حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ میرے ربوہ جانے کے تھوڑے دنوں بعد ہی سنوری صاحب کی وفات ہوئی تھی۔ آپ کراچی میں اپنے بیٹے کے پاس رہتے تھے۔ 1967ء میں آپ مشرقی پاکستان کے سفر پر آئے تھے۔

حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہان پوریؓ صدر انجمن احمدیہ کے کوارٹرز (دار الصدر شرقی یعنی فضل عمر ہسپتال کے بالمقابل) میں آپ کی رہائش تھی۔ مسجد

مبارک میں درس کے بعد ان کے گھر جا کر ان سے مل کر دعا کے لئے درخواست کرتے تھے۔ آپ حافظ قرآن تھے اور بڑے پیر صاحب کے بیٹے تھے۔ اردو زبان کے بہت بڑے شاعر تھے۔ آپ کی قریباً سو سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ آخر عمر تک حافظہ بہت اچھا تھا اور بہت حساس تھے۔

اُس وقت مَیں بہت چھوٹا تھا۔ دعا کی غرض سے ایک خط لکھ کر حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد رضی اللہ عنہ ناظر صاحب اعلیٰ کے دفتر میں چھوڑ آیا تھا۔ محترم مرزا عزیز احمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کے بیٹے تھے۔ آپؓ صحابی تھے۔ چنانچہ دو روز بعد ان کے دفتر سے آدمی آکر مجھے پیغام دے گیا کہ محترم ناظر صاحب اعلیٰ نے مجھے بلایا ہے۔ میں ڈر گیا کہ کیا ہوا۔ کیوں بلایا۔ چنانچہ جامعہ احمدیہ سے اجازت لے کر دفتر حاضر ہو گیا۔

محترم صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب نے بہت پیار سے بٹھایا، حال احوال پوچھتے رہے کہ کہاں سے آیا ہوں وغیرہ۔ پھر فرمایا کہ دعا کے لئے تعلق ضروری ہوتا ہے۔ آپ سے کوئی تعارف نہیں تھا۔ میں آپ کو جانتا نہیں تو دعا کیسے ہوگی۔ گاہے گاہے ملتے رہا کریں تا کہ دعا کے لئے آپ کا نام یاد رہے۔ چنانچہ اسی طرح ربوہ میں بزرگان ہماری تربیت کرتے رہے۔

حضرت قاضی محمد عبد اللہ بھٹی صاحبؓ امریکہ میں بطور مبلغ خدمت بجالاتے رہے۔ ربوہ دار الضیافت کے لمبے عرصہ تک انچارج رہے۔ ان کے گھر پر جا کر ملاقات نہیں ہو سکی۔ مسجد مبارک سے آپ گھر واپس جا رہے ہوتے تھے بہت کمزور تھے۔ راستہ

میں ان کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے باتیں کرنے کا موقع ملتا تھا۔ ہر وقت دعا کرتے رہتے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے 313 صحابہ کرام کے نام "انجام آتھم" میں تحریر فرمائے تھے۔ ان میں حضرت قاضی عبد اللہ بھٹی صاحب کا نام بھی ہے۔

حضرت شیخ کظیم الرحمٰن صاحبؓ کپور تھلہ والے صدر انجمن کے کوارٹرز میں رہتے تھے۔ ان سے بہت دفعہ ملاقات کا موقع ملا تھا۔ ایک دفعہ آپ کی دعوت پر آپ کے ساتھ کھانا کھانے کا موقع ملا۔ غالباً آپ سات بھائی تھے اور سب صحابی تھے۔ ان میں سے تین بھائیوں سے مجھے ملاقات کا موقع ملا۔ ایک دن جب شیخ کظیم الرحمٰن صاحبؓ کی وفات ہوئی تو میں ان کے گھر یعنی صدر انجمن کے کوارٹر پر حاضر ہوا۔ خاکسار نے دیکھا کہ ان کے جنازہ کو غسل دلانے کے لئے تیاری ہو رہی ہے۔ مجھے دیکھ کر غسل دلانے والوں نے مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ زندگی میں ایک ہی جنازہ کو غسل دلانے میں خاکسار کو شامل ہونے کا موقع ملا اور وہ حضرت کظیم الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ تھا۔ کپور تھلہ میں صحابہ کی بڑی جماعت تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ ایک دفعہ یہاں پر تشریف لے گئے تھے۔ حضورؑ نے کپور تھلہ کو اپنا دوسرا وطن قرار دیا تھا۔ یہاں پر بڑے بڑے بزرگ صحابہ کرام حضورؑ سے بہت گہری محبت رکھتے تھے۔

حضرت شیخ محب الرحمٰن صاحبؓ حضرت شیخ کظیم الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے۔ شیخ محب الرحمٰن صاحب دارالعلوم میں اپنے مکان میں رہتے تھے۔ کئی دفعہ ان کے گھر جا کر ملاقات کی۔ ایک دفعہ جب ملنے گیا تو میرا کوئی امتحان تھا۔ میں نے دعا کے لئے ان سے درخواست کر دی اور چلا آیا اور بہت دن ان کے پاس نہیں گیا۔ مجھے یاد

نہیں رہا کہ امتحان میں پاس ہونے کے لئے ان سے دعا کی درخواست کی تھی۔ جب بہت عرصہ بعد ان کو ملنے گیا تو انہوں نے شکایت کی کہ تم نے امتحان میں کامیابی کے لئے دعا کی درخواست کی اور غائب ہو گئے! اتنی دیر بعد آئے ہو! امتحان میں پاس ہوئے کہ نہیں مجھے بتایا نہیں۔ میں تو دعائیں کرتا رہا۔ تمہیں چاہیے تھا کہ امتحان کا نتیجہ نکلنے کے فوراً بعد مجھے آکر بتاتے کہ تم پاس ہو گئے ہو۔ کوئی اگر ہمیں دعا کے لئے کہے تو ہم تو اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ مجھے بہت شرمندگی ہوئی۔

حضرت شیخ صاحب نے مجھے ایک بہت ہی پیاری دعا سکھائی تھی۔ وہ دعا اب بھی اکثر کرتا ہوں۔ اُس دعا نے مجھ پر بہت اثر کیا تھا۔ انہوں نے کہا یہ دعا کیا کریں "یا اللہ! مَیں بہت گناہ گار ہوں۔ گناہوں سے بھرا ہوا ہوں۔ اور میری کوئی نیکی نہیں ہے۔ لیکن ایک بات تو بالکل پکی اور سچی ہے کہ میں حضرت مسیح موعودؑ کو مانتا ہوں۔ اور حضورؑ کو ماننے کی وجہ سے لوگ ہمیں کافر کہتے ہیں۔ صرف اسی وجہ سے یا اللہ! مجھے معاف کر دے۔ تمام گناہ معاف کر دے"۔ صرف حضرت مسیح موعودؑ کو ماننے کی وجہ سے معمولی سے معمولی لوگ بھی ہمیں کافر کہہ کر گالی دیتے ہیں۔ ورنہ کسی کو کیسے ہمت ہوتی کہ ہمیں کافر کہے۔

میں اگر حضرت مسیح موعودؑ کے کسی بھی صحابی سے ملا ہوں تو ضرور ان میں کوئی بات دیکھی ہے جو صحابی کے علاوہ کسی اَور میں نہیں ہوتی۔ حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ سبز پگڑی والے صحابہ میں سے تھے اور بطور مربی سلسلہ کے خدمت بجالاتے رہے۔ ان سے بہت دفعہ ملنے کا موقع ملا۔ میری بڑی لڑکی قرۃ العین سعدیہ نے جب پہلی

دفعہ قرآن مجید کا دور مکمل کیا تو ہم نے اپنے گھر یعنی کوارٹر تحریک جدید میں 'آمین' کی تقریب کا انتظام کیا۔ دعا کے لئے حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ کو دعوت دی۔ مولوی صاحب نے میری بیٹی سے قرآن شریف سنا اور اس کے بعد دعا کروائی۔ اس موقع پر خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی بعض خواتین مبارکہ ہمارے گھر آئیں اور بچی کو دعائیں دیں۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت چھوٹی آپا محترمہ سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ حرم حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، محترمہ آپا طاہرہ صدیقہ صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور محترمہ صاحبزادی امۃ الباسط صاحبہ بیگم حضرت سید میر داؤد احمد مرحوم تشریف لائی تھیں۔ میری بیٹی کے ماموں جان محترم مولانا محمود احمد بنگالی صاحب صدر خدام الاحمدیہ بھی حاضر تھے۔ جو مہمانان کرام تشریف لائے ان کی سادہ طور پر مٹھائی، بسکٹ اور چائے سے تواضع کی گئی۔ ہمارے مولانا بشیر الرحمٰن صاحب اور مولانا فیروز عالم صاحب اس زمانہ میں جامعہ میں زیرِ تعلیم تھے۔ اس دن انہوں نے مہمان نوازی میں ہماری بہت مدد کی۔ آخر میں حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ کے ساتھ فوٹو بنوائی گئی۔ اس زمانہ میں بزرگوں کو مولوی صاحب کہا جاتا تھا۔ مولانا کہنے کا رواج نہیں تھا۔

حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ سے بہت دفعہ ملاقات کی۔ ایک دفعہ دوپہر کو دعوت پر بلا کر ان کو اپنے گھر کھانا کھلانے کی توفیق ملی۔ مولوی صاحب سے مَیں نے پیشگوئی محمدی بیگم کے بارہ میں پوچھا۔ مولوی صاحب نے بہت آسان اور سادہ سا

خوبصورت اور پر معارف جواب دیا تھا۔ سب صحابہ کا بیان ممکن نہیں۔ بعض باتیں یاد بھی نہیں۔

حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ ناظر بیت المال خرچ تھے۔ بعد میں اور بھی ترقی ہوئی تھی۔ محترم چوہدری مبارک مصلح الدین صاحب کے والد ماجد تھے۔ لمبا عرصہ مسجد مبارک میں نماز فجر پڑھاتے رہے۔ ان کو صوفی صاحب کہا جاتا تھا۔ بہت دفعہ ملاقات ہوتی رہی۔

حضرت مولوی محمد دین صاحبؓ لمبا عرصہ صدر صدر انجمن احمدیہ رہے۔ قریباً سو سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ مولوی صاحب سے دفتر میں بھی ملاقات کرتا رہا۔ لیکن بعد میں وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ دفتر میں تشریف نہیں لاتے تھے۔ بہت دفعہ ان کے گھر جا کر ملاقات کرتا رہا۔ وہ لمبا عرصہ میرے لئے دعائیں کرتے رہے۔ غالباً سب سے زیادہ لمبا عرصہ ان سے ملاقات رہی۔ حضرت مولوی صاحب نے اپنے بارہ میں مجھے بتایا تھا کہ آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی تحریک پر 1907ء میں زندگی وقف کی۔ ان دنوں علی گڑھ یونیورسٹی میں بی۔ اے کے طالب علم تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کی درخواست پڑھ کر فرمایا کہ "ایسے نوجوانوں کو ہی تو وقف کرنا چاہیے"۔ مولوی صاحب اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتے تھے کہ آپ نے حضورؑ کے ہاتھ پر پہلے بیعت کی اور بعد میں حضورؑ کی تحریک پر زندگی وقف کی۔

اوائل عمر میں حضرت مولوی صاحب کو گردن پر خطرناک پھوڑا نکلا۔ مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پھوڑا دکھا کر دعا کی درخواست کی۔

حضرت مسیح موعودؑ مسجد مبارک کی سیڑھی سے نیچے اتر رہے تھے۔ حضورؑ نے دعا کی اور مولوی صاحب کی گردن پر اپنے ہاتھ سے مسح کیا۔ اور فرمایا ٹھیک ہو جائے گا۔ اور اس طرح مولوی صاحب کا پھوڑا ٹھیک ہو گیا۔

حضرت مولوی صاحب کو میں نے بطور صدر صدر انجمن احمدیہ دیکھا۔ آپ نہایت سیدھے سادے درویش انسان تھے۔ خاکسار نے حضورؒ کے فرمان کے مطابق 1977ء میں بنگلہ دیش میں آکر شادی کی اور پاکستان چلا گیا۔ میری بیوی کے پاکستان جانے میں مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ مولوی صاحب دعا تو کرتے ہی تھے لیکن محترم مولوی محمد صاحب امیر جماعت بنگلہ دیش کو تاکید بھی کرتے رہے کہ میری بیوی کو جلد پاکستان بھجوانے کی کوشش کریں۔

حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب حضرت مسیح موعودؑ کے بزرگ صحابی حضرت شیخ منشی ظفر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپور تھلہ والے کے بیٹے تھے اور ضلع و شہر فیصل آباد کے امیر تھے۔ حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب سے مجھے بہت دفعہ ملاقات کا موقع ملا۔ فیصل آباد ان کے مکان پر بھی جا کر ملاقات کرتا رہا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک عظیم الشان اعلان فرمایا ہے کہ 'عربی امّ الالسنہ ہے'۔ عربی زبان تمام زبانوں کی ماں ہے۔ شیخ محمد احمد مظہر صاحب نے 40 سے زائد زبانوں پر تحقیق کر کے ثابت فرمایا کہ یہ سب زبانیں عربی زبان سے نکلی ہیں۔ مثلاً انگریزی۔ آخر دنوں میں سنسکرت پر تحقیق کرنے کے بعد بنگلہ زبان پر تحقیق شروع فرمائی تھی۔ اَور بھی بہت سی خدمات ہیں۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے۔ (آمین)

حضرت حاجی عبد الکریم صاحبؓ ایک صحابی تھے۔ ماہ رمضان میں وہ ربوہ میں آتے۔ ہم روزانہ بعد نماز ظہر مسجد مبارک میں درس القرآن کے دوران ان کو دیکھتے تھے ۔ کبھی کبھی ملاقات کر کے دعا کے لئے کہتے۔ سردی کا موسم ہوتا تھا۔ حضرت حاجی صاحب مسجد مبارک کے صحن میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھتے اور درس سنا کرتے تھے ۔

حضرت مولوی غلام احمد بدوملہی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی تھے ، سلسلہ کے مبلغ تھے۔ آپؓ کچھ عرصہ افریقہ کے کسی ملک میں بطور مبلغ خدمات سر انجام دیتے رہے۔ حضرت مولوی صاحب بعض دفعہ ماہ رمضان میں مسجد مبارک میں درس القرآن دیتے رہے۔ آپ کا درس بہت دلچسپ ہوتا تھا۔

حضرت چوہدری علی محمد صاحبؓ بی اے بی ٹی سے دو دفعہ ملاقات کا موقع ملا۔ آپؓ دارالضیافت میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان سے بھی دعا کی درخواست کرتا رہا۔ الحمد للہ۔

صحابہ کرام کے علاوہ بھی بزرگان سے دعا کی غرض سے ملاقات کرتا رہا ہوں۔ بعض کا ذکر پہلے بھی کیا ہے۔ مولوی ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا و روس تھے۔ ان کے گھر جا کر ملاقات کی۔ آپؒ 'ظہور حسین بخارا' کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ آپ جب روس یعنی بخارا گئے تو جاسوس سمجھ کر پولیس نے آپ کو گرفتار کر لیا اور مقدمہ بنا دیا۔ مولوی صاحب دو سال تک جیل میں شدید ظلم برداشت کرتے رہے۔ انہوں نے مجھے اپنے بعض واقعات سنائے کہ کیسے کیسے ظلم کئے گئے۔ جسم کے بعض حصوں پر نشانات

بھی دکھائے۔ آپ ایک پاؤں سے معذور کر دیئے گئے تھے۔ ان سے مسجد مبارک میں درس القرآن سنتا رہا ہوں۔ بہت روتے تھے اور درثمین کے اشعار بہت پڑھتے تھے۔

جلسہ سالانہ 2005ء میں قادیان جانے کا موقع ملا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ میری اہلیہ امۃ القدوس شاہانہ میرے ساتھ تھیں۔ قادیان میں بہت سے درویشانِ قادیان سے ملاقات کا موقع ملا۔ خاص طور پر محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب امیر مقامی قادیان سے ملاقات کا موقع ملا۔ 2005ء سے قبل بھی قادیان جانے کی کوشش کرتا رہا مگر موقع نہیں بنا۔ 1983ء میں قادیان جانے کے ارادے سے دہلی تک جانے کا موقع ملا۔ لیکن اس زمانہ میں الگ طور پر خاص اجازت لے کر پنجاب کی طرف جانا ہوتا تھا اور ہمیں اجازت نہیں ملی تھی۔

صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ 1947ء سے لے کر آخر تک بڑی بڑی قربانیاں دیتے رہے ۔ آپ صحابی نہیں تھے لیکن باقی درویشان کو بہت اطمینان ہوتا تھا کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے مرزا وسیم احمد صاحب ان کے ساتھ ہیں اور قربانیاں کر رہے ہیں۔

درویشانِ قادیان نے 1947ء سے آخر تک اتنی بڑی بڑی قربانیاں دیں کہ رہتی دنیا تک سنہری حروف سے تاریخ میں لکھی جاتی رہیں گی۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

بطور مربی و مبلغ سلسلہ میدانِ عمل میں

ہماری کلاس یکم مئی 1977ء میں جامعہ احمدیہ سے کامیابی کی نہایت قیمتی سند لے کر وکالت دیوان میں آئی۔ ہمارے وقت میں اسناد کی تقسیم یاconvocation کی تقریب کارواج نہیں تھا۔ البتہ تحریری سند دی جاتی تھی۔ وکالت دیوان تحریک جدید سے ایک دو روز میں اس زمانہ کے رواج کے مطابق حدیقۃ المبشرین میں اور اس کے بعد نظارت اصلاح و ارشاد مقامی میں آئے۔ اس زمانہ میں محترم مولانا سید احمد علی شاہ صاحب نائب ناظر اصلاح وارشاد مقامی تھے۔ شاہ صاحب بہت پر جوش مقرر اور مناظر بھی تھے۔ سلسلہ کے لئے بہت درد رکھتے تھے۔ ہمیں بہت اچھی اچھی باتیں بتاتے اور سکھاتے رہے۔

وہاں سے چند دنوں تک ہم سب نئے مربیان کی مختلف جماعتوں میں تقرری ہو گئی۔ بہت عجیب دلی کیفیت لے کر ہم اپنے اپنے مقررہ مقامات پر چلے گئے۔ بہت خوشی تھی کہ ہم نے مربی سلسلہ کے طور پر میدان عمل میں قدم رکھا۔ لیکن اکثر اداسی چھا جاتی تھی کہ یہاں تو اکیلے ہو گئے ہیں۔ کسی دوست سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ اس زمانہ میں کسی کے پاس موبائل فون نہیں تھا۔ لینڈ لائن نمبر بھی نہیں تھا۔ خاکسار کی تقرری چک نمبر 46 شمالی سرگودھا میں ہوئی تھی۔ وہاں میں ایک سال رہا۔ چک نمبر 46 شمالی جو گاؤں تھا وہ اب سرگودھا شہر میں مل گیا ہے۔ شہر کا حصہ بن گیا ہے۔ اس زمانہ میں کوئی

مربی ہاؤس نہیں تھا۔ایک صاحب (بشیر احمد صاحب) کے گھر کے باہر کی طرف ایک کمرہ میں میری رہائش تھی۔

محترم مرزا عبدالحق صاحب مرحوم سرگودھا شہر و ضلع کے امیر تھے۔صوبائی امیر صوبہ پنجاب بھی رہے۔مرزا صاحب سے بہت دفعہ ملاقات ہوتی رہی۔ان سے بہت کچھ سیکھا۔جزاھم اللہ۔مرزا صاحب مرحوم بنگلہ دیش آتے رہے۔حضرت مصلح موعودؓ نے 1922ء سے مجلس مشاورت کا نظام شروع فرمایا۔اس سے قبل شہروں میں امراء مقرر کئے گئے۔بالکل شروع سے مرزا صاحب امیر شہر اور مجلس مشاورت کے ممبر مقرر ہو گئے تھے۔سب سے پہلے آپ گورداسپور کے امیر مقرر ہوئے تھے۔مرزا صاحب پیشہ کے لحاظ سے وکیل تھے۔پگڑی اور لمبا کوٹ زیب تن رکھتے تھے۔

اس زمانہ میں مربی انچارج ضلع بھی ہوتے تھے۔سرگودھا میں اس زمانہ میں مولوی عزیز الرحمٰن صاحب منگلا بڑے عالم اور بزرگ اور درویش صفت آدمی تھے۔ان کی دیہاتی طرز زندگی تھی۔مولوی عزیز الرحمٰن صاحب منگلا اپنے پیر کے خلیفہ بننے والے تھے۔لیکن ان کے احمدی ہونے سے ان کے پیر صاحب کو بہت مایوسی ہوئی۔مولوی عزیز الرحمٰن صاحب منگلا مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔عجیب انسان تھے۔پکے موحد تھے۔وہ عربی میں شعر کہتے تھے۔ان کے شعر الفرقان رسالہ میں بھی شائع ہوتے تھے۔اس بات کا ذکر اس لئے کر رہا ہوں کہ ان بزرگان کی دعائیں مجھے ہمیشہ ملتی رہیں اور میں ان کو غور سے دیکھتا اور سنتا رہا۔جزاھم اللہ خیراً۔مجھے ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔

یہ میری پہلی تقریری تھی۔ بہت دعائیں کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کامیابیاں دے۔ آہستہ آہستہ میری جماعت میں بیداری پیدا ہونے لگی۔ خاکسار صبح فجر کے بعد درسِ قرآن اور مغرب کے بعد حدیث یا ملفوظات کا درس دیتا اور رمضان المبارک میں عصر کے بعد قرآن شریف کا درس دیتا رہا۔ رمضان میں خاص طور پر صبح دس بجے مسجد میں عورتوں کے لئے درس قرآن دیتا رہا۔ درس کے بعد سوال جواب یا بے تکلف گفتگو ہوتی۔ وہاں پر پہلے کوئی مربی سنٹر نہیں تھا نہ کوئی مربی رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ عورتوں کی بیداری سے جماعت بھی بیدار ہو جاتی ہے۔ رمضان میں عورتوں کے لئے الگ درس قرآن سے ان میں اچھی بیداری پیدا ہو گئی تھی۔ عورتوں میں بیداری پیدا ہونے سے ان کے مرد متاثر ہوتے ہیں اور چندوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ کا خاص فضل یہ ہوا کہ حضورؒ نے مجھ سے فرمایا کہ اپنی جماعت کو یہاں لے آؤ۔ میں نے احباب جماعت کو کہا اور احباب جماعت میں بہت جوش پیدا ہو گیا۔ خوب تیار ہو کر ہم سب مقررہ تاریخ پر حضورؒ سے ملاقات کرنے گئے تھے۔ ملاقات بہت اچھی رہی۔ سب احباب بہت خوش ہوئے۔ حضورؒ کی صحبت میں بیٹھنے اور باتیں سننے سے جماعت پر بہت مفید اثر پیدا ہوا۔ جماعت میں احساس پیدا ہو گیا کہ یہاں مستقل مربی سنٹر ہونا چاہئے۔ مربی کے لئے کوارٹر ہونا چاہئے۔ مسجد بہت پرانی تھی اس کو گرا کر نئی مسجد بنانی چاہیے۔ میرے بعد نئی مسجد اور نیا مربی ہاؤس بنایا گیا۔

حضورؒ کے ساتھ ملاقات کے دوران ایک عجیب واقعہ ہوا۔ خاکسار حضور کے پاس کرسی پر بیٹھا ہوا تھا سامنے قالین پر احباب بیٹھے ہوئے تھے۔ حضورؒ نے اچانک میری

طرف متوجہ ہو کر فرمایا 'شادی کیلئے زیادہ پڑھی لکھی لڑکی ہونا ضروری تو نہیں ہوتا'۔ اس کے بعد پھر جماعت کی طرف توجہ فرمائی اور اپنی گفتگو کو جاری رکھا۔ میں بہت حیران ہوا کہ پتہ نہیں کیا بات ہے؟ جو حضورؒ نے مجھے اچانک اس طرح مخاطب فرمایا؟

اس جماعت میں خدمت کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی اجازت سے دسمبر 1977ء میں مجھے بنگلہ دیش آنے کا موقع ملا۔ 17 دسمبر 1977ء بروز ہفتہ مولانا محمد محب اللہ صاحب مربی سلسلہ کی دختر نیک اختر مکرمہ امۃ القدوس شاہانہ سے میری شادی ہوئی۔ حضور انور سے ملاقات کر کے خاص اجازت لے کر آیا تھا کہ اس گھر میں میری شادی ہوگی۔ میری اہلیہ مولانا محمود احمد صاحب بنگالی مرحوم سابق امیر و مبلغ انچارج آسٹریلیا کی ہمشیرہ ہیں۔ محترمہ حبیبہ راحت صاحبہ متحدہ بنگال کے سب سے پہلے مبلغ و مربی سلسلہ مولانا ظل الرحمٰن مرحوم کی بڑی بیٹی تھیں۔ مولانا ظل الرحمان صاحب اور ان کا سارا خاندان قادیان میں رہتے تھے۔ مولانا محب اللہ صاحب پرانے عالم تھے۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد زندگی وقف کر کے قادیان میں مبلغ بننے کے لئے تعلیم و تربیت حاصل کر رہے تھے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ کے خاص تعاون اور اجازت سے مولانا محب اللہ صاحب کی دوسری شادی مولانا ظل الرحمان صاحب کی بڑی بیٹی محترمہ حبیبہ راحت صاحبہ سے ہوئی تھی۔ بعد میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ نے مولانا محب اللہ صاحب کو بھی بطور مربی سلسلہ بنگال میں بھجوا دیا تھا۔ ایک سال بعد ہندوستان آزاد ہوا۔ پاکستان نیا ملک بن گیا۔ مولانا ظل الرحمان صاحب پہلے سے بنگال میں مربی و مبلغ کے طور پر خدمت کر رہے تھے۔ ایڈووکیٹ مجیب الرحمان صاحب

بنگالی راولپنڈی کے مولانا ظل الرحمان صاحب کے خلف رشید ہیں۔ مَیں اکیلا احمدی تھا۔ یہاں شادی ہونے سے بہت مخلص اور خدمت دین میں مصروف خاندان مجھے رشتے میں مل گیا۔ یہاں بنگلہ دیش میں مولانا ظل الرحمان صاحب سلسلہ کے مبلغ و مربی کے طور پر کام کر رہے تھے۔ اور پوری فیملی قادیان میں رکھنا چاہتے تھے۔ آپ نے اپنی جائیداد وغیرہ برہمن بڑیہ میں چھوڑ کر قادیان میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ لیکن 1947ء میں پاکستان بننے کے بعد پہلے ان کی اہلیہ اور بچے چنیوٹ میں ٹھہرے رہے۔ لیکن ان کی اہلیہ کی وفات کے بعد ان کے بچوں کو بنگال میں بھجوا دیا گیا۔

حضور انورؒ نے ازراہ شفقت مجھے شادی کے لئے بنگلہ دیش بھیجا تھا۔ استاذی المحترم ملک سیف الرحمٰن صاحب سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ نے مجھے کہا تھا کہ اگر آپ چاہیں اور حضورؒ اجازت دیں تو پاکستان میں آپ کے لئے اچھی لڑکی مل سکتی ہے۔ حضور سے ملاقات کریں۔ حضورؒ نے فرمایا 'آپ بنگلہ دیش میں شادی کریں گے'۔ میں نے دوبارہ محترم پرنسپل صاحب کا ذکر کیا۔ حضور نے فرمایا 'نہیں آپ کی شادی بنگلہ دیش میں ہوگی'۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے خاص ملاقات

میں تو شادی کے لئے بنگلہ دیش آیا تھا لیکن واپس جا کر حضورؒ کی خدمت میں تفصیلی رپورٹ پیش کی۔ ملاقات میں وقت کم ہوتا ہے۔ حضور کے سامنے بات کرنا بھی مجھے مشکل لگتا تھا۔ چنانچہ رپورٹ لکھ کر لے گیا تھا۔ خیال تھا کہ رپورٹ حضور کے ہاتھ

میں دے کر آجاؤں گا۔ حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی حضور نے مصافحہ کے بعد فرمایا"کل صبح دس بجے آفس میں آئیں"۔

دوسرے روز صبح حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور آفس میں اپنی کرسی پر تشریف فرما تھے۔ مجھے بیٹھنے کے لئے فرمایا۔ حضور میری رپورٹ غور سے پڑھتے رہے۔ حضور بہت سنجیدہ ہو گئے۔ مجھے تو ڈر ہوا لیکن حضور نے مجھ سے کچھ نہیں فرمایا۔ مَیں واپس آ گیا۔

حضور انورؒ نے میری رپورٹ کو منظور فرمایا اور ناظر صاحب اصلاح و ارشاد مرکزیہ کو ہدایت فرمائی کہ کیا کرنا ہے۔

مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میری رپورٹ میں مذکور دو باتوں پر جلدی اقدامات شروع ہو گئے۔(1) بنگلہ دیش میں جلسہ سالانہ پر مرکزی علماء کرام کا وفد ہر سال آئیں گے، جلسہ پر تقریریں کریں گے بعد میں جماعتوں میں جائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ احباب جماعت سے ملاقاتیں کریں گے۔

میری دوسری تجویز یہ تھی کہ بنگلہ دیش سے نوجوانوں کو ربوہ جاکر جامعہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرنی چاہیے تاکہ مربی بن کر واپس آئیں اور بنگلہ دیش جماعت کے لئے کام کریں۔ اس پر بھی فوراً عمل شروع ہو گیا۔ پہلے دو نوجوان ربوہ گئے تھے ایک کی عمر زیادہ تھی۔ وہ چند ماہ رہ کر واپس آ گئے اور ایک نوجوان جامعہ میں پڑھتے رہے۔ لیکن چند سال بعد جامعہ چھوڑ گئے۔ اس کے بعد مولانا عبد الاول خان صاحب اس کے بعد مولانا

بشیر الرحمٰن صاحب اسکے بعد مولانا فیروز عالم صاحب جامعہ میں داخل ہوئے اور کامیاب ہو کر واپس آکر جماعت کی خدمت میں مصروف ہیں۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ میری تجاویز کو حضورؒ نے پسند فرمایا تھا۔ اور اب جماعت کو فائدہ ہو رہا ہے۔ الحمدللہ۔

غالباً 1981ء سے مرکزی علماء کرام کا وفد بنگلہ دیش جلسہ سالانہ پر آنا شروع ہوا تھا۔ محترم مولانا عبدالمالک خان صاحب ناظر اصلاح و ارشاد، محترم مرزا عبدالحق صاحب وغیرھم ہر سال بدل بدل کر جلسہ سالانہ پر آتے رہے۔

اور اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بنگلہ دیش میں جامعہ احمدیہ قائم ہو گیا ہے۔ ہر سال مربیان کامیاب ہو کر جماعت کی خدمت کر رہے ہیں۔

میدانِ عمل بہاولپور شہر

شادی کے دو ماہ بعد خاکسار واپس آکر 46 شمالی میں مصروف عمل ہو گیا۔ ایک سال بعد خاکسار کو نظارت اصلاح و ارشاد مقامی سے نظارت اصلاح و ارشاد مرکزیہ میں بھجوایا گیا۔ جولائی 1978ء میں میرا تقرر بہاولپور شہر میں ہوا۔ بہاولپور صحرائی علاقہ ہے۔ دیہاتوں میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں تھیں۔ لیکن ہم تین مربیان بہاولپور شہر میں جماعت کے سنٹر میں رہتے تھے۔ یہاں پہلے سے مکرم ملک منصور احمد صاحب عمر اور مکرم وسیم احمد چیمہ صاحب فیملی کے ساتھ رہتے تھے۔ اکثر تین مربیان یہاں ہوتے تھے۔

مکان بھی تین تھے۔ ضلع کی تین تحصیلیں ہم تین مربیان کے ذمہ تھیں۔ ہم اپنی اپنی تحصیل کی جماعتوں میں دورے پر جایا کرتے تھے۔

محترم چوہدری غلام احمد صاحب یہاں امیر ضلع تھے۔ شہر میں، حلقہ جات میں ہماری روز کی سرگرمیاں تھیں۔ مغرب کی نماز پر ہم اپنے اپنے حلقہ میں جاتے تھے۔ نماز مغرب کے بعد درس اور دینی باتیں ہوتی تھیں۔

یہاں پر میڈیکل کالج کے حلقہ میں دو ڈاکٹر صاحبان رہتے تھے اور میڈیکل کالج میں 8-10 طلباء تھے وہ نماز مغرب پر ڈاکٹر چوہدری مبارک احمد صاحب کے مکان پر آتے تھے۔

خاکسار نے طلباء کو تیار کیا کہ صبح فجر کی نماز پر بھی یہاں آئیں۔ اس زمانہ میں ڈاکٹر عبدالخالق صاحب خالد میڈیکل سٹوڈنٹ قائد مجلس خدام الاحمدیہ تھے۔ ڈاکٹر خالق صاحب آج کل صدر مجلس انصار اللہ پاکستان ہیں۔ چنانچہ روزانہ فجر کی نماز پر خاکسار میڈیکل حلقہ میں جاتا رہا۔ فجر کے بعد درس القرآن دیتا تھا۔ درس کے بعد کئی دفعہ سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ سب ڈاکٹر بننے والے تھے۔ درس دینے میں بڑا لطف آتا تھا۔ ہم سب بہت Enjoy کرتے رہے۔

دسمبر 1977ء میں میری شادی ہوگئی تھی۔ دو ماہ بعد واپس آگیا تھا۔ حضور انورؒ نے ہدایت فرمائی کہ میری بیوی کو پاکستان بھیجا جائے۔ بہت مشکلات پیدا ہوتی رہیں۔ وہاں رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ بیوی کا پاسپورٹ بنوانا پھر پاکستان کا ویزا ملنا بہت سی روکیں پیدا ہوئیں۔ عبید الرحمٰن صاحب بھوئیاں میری بیوی کے ماموں

تھے۔ بنگلہ دیش ائیر لائن BIMAN میں بڑے عہدے پر تھے۔ بہت بھاگ دوڑ کرتے رہے۔ بالآخر حضور انورؒ کی دعائیں اور صحابہ کرامؓ کی دعائیں قبول ہوئیں اور میری بیوی کا پاکستان جانا ممکن ہوا۔

خاکسار ان دنوں بہاولپور میں مقیم تھا۔ میری بیوی فروری 1979ء میں پاکستان گئی۔ میں کراچی ائیر پورٹ بیوی کو لینے کے لئے گیا۔ محترم مولانا محمد عثمان چینی صاحب ان دنوں ڈرگ روڈ کراچی میں مربی سلسلہ کے طور پر متعین تھے۔ ان سے پرانی دوستی تھی۔ انہوں نے دعوت دی کہ ان کے پاس ایک روز قیام کروں۔ چینی صاحب کی بیوی بھی چین سے آئی تھیں۔ چینی صاحب اور ان کی بیوی نے ہماری بہت خاطر تواضع کی۔ بعد میں ربوہ میں چینی صاحب بھی اور ہم بھی تحریک جدید کے کوارٹرز میں رہے۔ بعد میں چینی صاحب کو لندن میں چینی ڈیسک شروع کرنے کی توفیق ملی۔ میں جب بھی لندن جاتا تھا چینی صاحب سے ضرور ملتا اور ان کے گھر ایک وقت کا کھانا ہوتا تھا۔ چینی صاحب اور ان کی بیگم ایسے نیک لوگ ہیں کہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ چینی صاحب کی بڑی بیٹی اور میری بڑی بیٹی ایک ہی عمر کی ہیں۔ چینی صاحب کی بیگم کے ساتھ میری بیوی کی بہت دوستی رہی۔

کراچی میں چینی صاحب کے گھر ایک رات رہا۔ درمیان میں مکرم منیر احمد چوہدری صاحب مبلغ امریکہ کے والدین نے ہماری دعوت کی۔ ان دنوں وہ مربی ہاؤس کے قریب رہتے تھے۔ منیر احمد چوہدری صاحب بھی ہمارے بہت دوست ہیں۔ ہمارے بھائی مولانا محمود احمد صاحب بنگالی مرحوم کے بھی بہت دوست تھے۔

کراچی میں ایک روز رہ کر بذریعہ ٹرین ہم بہاولپور آئے تھے۔ رات کے 12 بج رہے تھے۔ بہاولپور ریلوے اسٹیشن پر بہت سے دوست ہمارا استقبال کرنے آئے تھے۔ بہاولپور جماعت کے دوستوں نے اس طرح خوشی کا اظہار کیا جیسے مجھ سے زیادہ وہ خوش ہوئے ہوں۔ باری باری سب اپنے گھر میں ہمیں دعوت پر بلاتے رہے۔ بہاولپور کے زمانہ میں ہماری بڑی دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جماعت کی عورتوں اور مردوں سب نے بہت مدد کی۔ بڑی بیٹی تو ربوہ میں پیدا ہوئی۔ بھائی محمود احمد صاحب بنگالی کے گھر ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ دوسری بیٹی بہاولپور میں پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر صاحبان اور احمدی طلباء نے ہمارا بہت خیال رکھا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

بہاولپور میں تاریخی مسجد کی تعمیر

بہاولپور کے زمانہ میں بھی احباب جماعت کے اندر بیداری پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیابی دی۔ یہ علاقہ پاکستان بننے کے بعد بھی نواب کی اسٹیٹ تھی۔ بہاولپور کے نواب کی عدالت میں سب سے پہلے ایک احمدی کو ناٹ مسلم کہا گیا تھا۔ بہاولپور کے پورے علاقہ میں ہماری جماعت کی شدید مخالفت تھی اور اب بھی ہے۔ شہر میں ہمارا ایک قطعہ زمین ہے جہاں ایک عمارت ہے، تین مربی کوارٹرز ہیں۔ مسجد کے لئے جگہ مخصوص ہے لیکن مسجد بنانے کی اجازت نہیں۔ ہم سے بہت پہلے مسجد کی تعمیر شروع کی گئی تھی لیکن مخالفین نے عدالت میں Case کر دیا تھا۔ اور عدالت نے تعمیر پر پابندی عائد کر دی تھی اور پابندی اب بھی قائم ہے۔

احباب جماعت ایک کرائے کے مکان کی چھت پر ٹین شیڈ کے نیچے نماز جمعہ پڑھتے تھے۔ جگہ بہت کم تھی۔ عورتوں کے لئے جمعہ ممکن نہیں تھا۔ شدید گرمی میں ٹین شیڈ کے نیچے جمعہ کی نماز میں حاضرین کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔

خاکسار نے تجویز دی کہ شہر میں ہماری جو جگہ ہے جہاں مسجد بننے والی تھی اس جگہ پر ایک حصہ میں ہم کچی یا پکی اینٹ کے pillar پر کھجور کے پتوں کی چھت ڈال کر ، چھت پر مٹی ڈال دیں اور نیچے اینٹیں بچھا کر سیمنٹ سے معمولی لپائی کر دیں اور اس میں جمعہ ادا کرنا شروع کریں اور ہمارے مکان کے ایک کمرہ میں عورتوں کے لئے جمعہ پڑھنے کا انتظام کریں۔ مجلس عاملہ نے تجویز کو بہت پسند کیا اور عمل شروع ہو گیا۔ مجھے اور سب کو بے حد خوشی ہوئی کہ بہت اچھی طرح مسجد کا انتظام ہو گیا ہے۔ یہاں جمعہ کے علاوہ تمام اجلاسات اور مجالس منعقد ہوتی رہیں۔

2005ء میں قادیان میں بہاولپور کے امیر محترم چوہدری ڈاکٹر مبارک احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ مسجد اب ہر طرح بڑی کر کے پکی اینٹ کی دیوار پر لپائی کر کے Air Condition لگا دیا گیا ہے اور عورتوں کے لئے بھی حصہ بڑھایا گیا ہے۔ اور سارے کام بہت عمدگی سے انجام پا رہے ہیں۔ اور سب پرانے احباب مجھے بہت یاد کرتے ہیں۔

خاکسار جب بعد میں ربوہ میں مقیم تھا تب بھی ایک دوست محمد شریف جاوید صاحب مرحوم اپنی بیٹی کی شادی کے موقع پر ناظر صاحب اصلاح و ارشاد سے اجازت لے کر مجھے بمع فیملی بہاولپور لے گئے اور اعلان نکاح مجھ سے کروایا۔ ان کے بیٹے بیٹیوں

کو خاکسار قرآن شریف پڑھاتا تھا۔ ان کے بیٹے بیٹیاں بہت ذہین ہیں۔ دو بیٹیاں ڈاکٹر اور بیٹے انجینئر ہیں۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جہاں بھی رہا ہوں چک 46 شمالی سرگودھا، بہاولپور، گلگشت کالونی ملتان ہر جگہ وہاں سے تبدیل ہو کر چلے جانے کے بعد پھر صرف ملنے کے لئے دوبارہ گیا ہوں۔ احباب جماعت بہت محبت سے پیش آتے رہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد بہاولپور کے سفر پر

ہماری بہاولپور کی اس مسجد میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ناظم وقف جدید (بعد میں خلیفۃ المسیح الرابعؒ) تشریف لائے تھے۔ حضورؒ کا اس طرح آنا ہوا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب دورہ پر ملتان تک آئے ہوئے تھے۔ مجھے شدید خواہش ہوئی کہ آپ بہاولپور بھی آویں۔ بہاولپور میڈیکل کالج کے بعض غیر احمدی احباب سے سوال وجواب ہوں۔ محترم امیر صاحب راضی نہیں ہو رہے تھے کہ غیر احمدیوں کی طرف سے فتنہ فساد کا ڈر ہے۔ خاکسار نے امیر صاحب کو راضی کیا کہ میں ملتان جا کر حضرت میاں صاحب سے سارے حالات بیان کروں۔ اور اگر میاں صاحب راضی ہو جائیں تو وہ تشریف لائیں۔ خاکسار نے ملتان جا کر محترم صاحبزادہ صاحب سے ملاقات کی۔ حالات واضح کئے۔ آپ پہلے تو راضی نہ ہوئے پھر میرے اصرار پر راضی ہو گئے۔ میں نے کہا امیر صاحب صرف فتنہ فساد کے ڈر سے راضی نہیں ہو رہے، ہم نے اپنا انتظام بتایا کہ ہم اعلان عام نہیں کریں گے۔ میاں صاحب سے طے شدہ وقت سے تھوڑی دیر پہلے چند میڈیکل اسٹوڈنٹس کو بلانا ہے یعنی ہمارے میڈیکل کے 10-12 طلباء اور خدام اور

جماعت کے کافی لوگ موجود ہوں گے۔ ہر طرح احتیاط کریں گے کہ بن بلائے کوئی نہ آئے۔ چنانچہ محترم میاں صاحب تشریف لائے اور جہاں تک مجھے یاد ہے 3-4 غیر احمدی طلباء آئے تھے۔ تفصیل سے تسلی سے سوال وجواب ہوتے رہے۔ ایسا اتفاق ہوا کہ محترم صاحبزادہ صاحب نے ہماری اس مسجد میں جمعہ کی نماز بھی پڑھائی تھی۔

جمعہ کے خطبہ میں محترم مرزا طاہر احمد صاحب نے بہت عجیب بات بیان کی۔ وہ بات یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اَور باتوں میں میاں صاحب نے یہ بات بھی بیان کر دی جو 1970-71 کی بات ہے پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) کا جماعت کے ساتھ بہت اچھا تعلق تھا۔ پی پی پی کے سندھ کے وزیر اعلیٰ مصطفیٰ جتوئی صاحب شریف آدمی تھے، محترم مرزا طاہر احمد صاحب کی دعوت پر ربوہ دیکھنے آئے تھے۔ محترم میاں صاحب نے ان کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر ربوہ دکھایا تھا۔ خاص بات یہ ہے کہ ان کو تحریک جدید کی عمارات اور وقف جدید کے دفاتر دکھاتے ہوئے بتایا کہ 1934ء میں مجلس احرار کے مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے اعلان کیا تھا کہ ہم قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تحریک جدید عطا فرمایا۔ اور تحریک جدید کے ثمرات یہ ہیں۔ 1953ء میں پنجاب میں جماعت احمدیہ کے خلاف فساد برپا کیا گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وقف جدید عطا فرمایا۔ اور اس کے ثمرات یہ ہیں۔ یعنی ثمرات بیان فرمائے۔ انتہائی تعجب کی بات یہ ہے کہ محترم مرزا طاہر احمد صاحب نے مصطفیٰ جتوئی صاحب کو بتایا کہ آگے چل کر آپ یعنی پی پی پی اور بھٹو صاحب نے ہمارے خلاف ظلم کی چکی چلانی ہے۔ اور ہم قربانیاں پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔ ہم قربانیاں پیش کرتے

جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور بڑی بڑی ترقیات عطا فرمائی ہیں۔ مصطفیٰ جتوئی صاحب کہنے لگے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم آپ سے ظلم کریں؟ محترم میاں صاحب نے بتایا کہ آپ دیکھ لینا کیا ہو تا ہے۔

اس زمانہ کے احمدی احباب جانتے ہیں کہ 1974ء میں کیا ہوا۔ دنیا جانتی ہے کہ احمدیوں پر کس قدر ظلم کیا گیا ہے۔ 1969ء کے انتخابات میں پی پی پی کو غلط فہمی کی بنا پر ووٹ نہیں دیا تھا اور نہ جماعت کے فائدے کے لئے ووٹ دیا تھا۔ اس کا مقصد اَور تھا۔

بھٹّو بھٹی میں

1976ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت نے عام انتخابات کرائے تھے اس سال بھی جماعت کا فیصلہ تھا کہ پی پی پی کو جماعت نے ووٹ دینا ہے۔

ہمارے بزرگ استاد مولانا عبد اللطیف بہاولپوری صاحب سے اپنے مقالہ کے سلسلہ میں خاکسار نے ملاقات کی تھی۔ مولوی صاحب دارالرحمت ربوہ غلہ منڈی کے پاس رہتے تھے۔ مولانا عبد اللطیف بہاولپوری صاحب نے مجھے بتایا کہ جب جماعت نے فیصلہ کیا کہ 1976ء کے انتخابات میں بھی پی پی پی کو ووٹ دینا ہے تو مجھے شدید تکلیف ہوئی اور میں نے خدا کے حضور بہت رورو کر دعائیں کیں۔ الہام ہوا ''بھٹو بھٹی میں ''تب مجھے اطمینان ہوا۔ یہ واقعات خاکسار کے علم میں آنے سے بہت فائدہ ہوا۔ بزرگوں کو تو علم ہو تا ہے۔ عام آدمیوں کو بعض دفعہ تعجب ہو تا ہے کہ حضرت صاحب نے کیوں ایسا فیصلہ فرمایا۔ ہر زمانہ میں احمدیوں کو بار بار تجربہ ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیحؒ جو فیصلہ فرماتے

ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اشارہ ملا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ہمیشہ نہایت دلی مضبوطی کے ساتھ خلیفہ ُوقت کی اطاعت کریں۔ آمین

احباب جماعت سے ہمیشہ محبت کا تعلق رہا ہے۔ جہاں بھی میں بطور مربی سلسلہ کام کرتا رہا، اب بھی ان سے تعلق ہے۔ ان مقامات سے فون پر بعض دوست رابطہ کرتے ہیں۔ ایک دفعہ مکرم صالح محمد خان صاحب سابق مربی صاحب سیر کرتے کرتے ڈھاکہ آئے تھے۔ وہ بہاولپور بھی گئے تھے، صالح محمد خان صاحب میرے پرانے واقف تھے۔ انہوں نے بتایا کہ بہاولپور والے مجھے بہت یاد کرتے ہیں۔ الحمدللہ۔

بہاولپور میں بھی چک 46 شمالی سرگودھا کی طرح تمام احباب سے ذاتی رابطہ کے ذریعہ تمام احباب جماعت کو جماعتی سرگرمیوں میں شامل کرنے میں کامیابی ہوئی تھی۔ اس علاقہ میں بیعت نہیں ہوتی تھی۔ بہت زیادہ دعا اور کوشش سے میں 5 افراد کی بیعت کروانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ الحمدللہ

بچوں کو دینی معلومات سے آراستہ کرنے کی غرض سے چھوٹی سی دینی معلومات کی کتاب "تحفہ بہاولپور" باقی مربیان کے تعاون سے میں نے تیار کی تھی۔ امیر صاحب بہاولپور بہت خوش ہوئے تھے اور اخراجات انہوں نے برداشت کیے تھے۔ کتاب ربوہ سے شائع ہوئی تھی۔ پہلا نسخہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملاقات کر کے ان کے مبارک ہاتھ پر رکھا تو آپ بہت خوش ہوئے اور دعا دی۔

میری کوشش یہ ہوتی تھی کہ جماعت کے سب احباب چھوٹے بڑے سب جماعت کے کاموں میں حصہ لیں۔ جمعہ پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے سارے شامل ہوتے تھے۔ ہمیشہ میری جماعت میں جمعہ کی حاضری اچھی ہوتی تھی۔

مجلس عاملہ کی میٹنگ کے بارہ میں ڈاکٹر مبارک احمد صاحب [جو بعد میں امیر بنے]نے ایک دفعہ بتایا کہ مجلس عاملہ کی میٹنگ میں یا جلسہ میں آپ سے ہم اس رنگ میں ڈرتے تھے کہ آپ کسی کے چہرہ یا منہ کی طرف دیکھ کر بات نہیں کرتے۔ آپ کے دل میں جو بات ہوتی آپ کہہ دیتے۔ ہم پنجابی لوگ دیکھ لیتے ہیں کہ کون چوہدری صاحب ہیں، کون بڑے کون چھوٹے۔ آپ سب کو برابر ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ خدا گواہ ہے وہ سب لوگ مجھ سے محبت کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ اور میں بھی سب ہی کی عزت اور احترام کرتا تھا اور کرتا ہوں۔ کسی کو یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ میں ان کو اہمیت نہیں دیتا یا میری نظر میں وہ کم اہمیت کے حامل ہیں۔ آج بھی ہر ایک کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ ہر ایک کی بات سنتا ہوں۔

بہاولپور سے گلگشت کالونی ملتان میں

1980ء کے اخیر یا 1981ء کے شروع میں بہاولپور سے میرا تبادلہ گلگشت کالونی ملتان میں ہو گیا تھا۔

ملتان آنے کے فوراً بعد میری بیوی شدید بیمار ہو گئی تھی، شدید یرقان ہو گیا تھا۔ بڑی بیٹی ڈیڑھ سال کی اور دوسری بیٹی ماہ کی تھی۔ دوسری بیٹی عطیۃ العزیز فائزہ کی

پیدائش میجر آپریشن سے ہوئی تھی۔ بہت کمزور ہو گئی تھی۔ احباب جماعت نے ہم سے بڑی ہمدردی کی۔ ملک فاروق احمد صاحب کھوکھر نے ہمارے گھر میں لوکل میڈ کو لر لگوا دیا تھا۔ میری بیوی چھ ماہ تک کمرہ سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ چھ روز ہسپتال میں رہی لیکن اس بیماری کا علاج تو نہیں تھا۔ احتیاطیں اصل علاج ہیں۔ البتہ ہماری قسمت اچھی تھی حضرت خلیفۃ المسیح رحمہ اللہ دعائیں کر رہے تھے۔ صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب کو قادیان سے ایک پاؤڈر کی قسم کی دوائی حاصل ہوئی تھی جو یرقان کے مریض دو انگلیوں میں رکھ کر ناک میں چڑھاتا ہے اور اس سے بہت زیادہ زرد رنگ کا پانی ناک سے بہتا ہے۔ بار بار ایسا کرنے سے افاقہ ہوتا ہے۔ محترم میاں صاحب نے یہ دوا ہمیں دی۔ ہمیں بہت فائدہ ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری بیوی کو بچایا اور زندگی دی۔ الحمدللہ

ملتان میں بھی احباب سے رابطہ بڑھانا شروع کیا۔ مسجد کے ساتھ ایک کمرہ خالی تھا۔ مربی کوارٹر کے صحن میں اس کمرہ کی دیوار کاٹ کر دروازہ لگا کر میرے بیٹھنے کی جگہ اور لائبریری اور میٹنگ روم بنایا تاکہ کوئی ملنے آئے تو ان کو بٹھا کر بات کر سکیں۔

ایک دفعہ ربوہ میں ایک پٹھان نوجوان ملا۔ اَن پڑھ تھا مگر بہت پُر جوش داعی الی اللہ تھا۔ کچھ کتابوں کے صفحے اس کو یاد تھے۔ کتاب اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ موقع ملنے پر کسی کو کہتے تھے کہ مجھے فلاں صفحہ پڑھ کر سناؤ۔ یہ ان کا طریق تبلیغ تھا۔ اکیلے احمدی تھے۔ یہاں گلگشت کالونی میں ہماری محترمہ استانی عائشہ صاحبہ کے گھر ایک پٹھان لڑکی تھی وہ کسی یتیم خانہ سے لائی گئی تھی۔ جب آئی تھی تو لڑکی بہت چھوٹی تھی اب بڑی ہو گئی تھی۔ میری بیوی جب شدید بیمار ہوئی تو محترمہ استانی عائشہ صاحبہ اس لڑکی کو ہمارے گھر

صبح 10-11 بجے بھیجتی تھیں تا کہ میری بیوی کے لئے کھانا تیار کر دے، کپڑے دھو دے وغیرہ۔

یتیم بچی کا رشتہ

میں نے استانی صاحبہ سے اس لڑکی کا رشتہ اپنے اس نوجوان پٹھان کے لئے تجویز کیا۔ استانی صاحبہ بہت نیک خاتون تھیں وہ مان گئیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے ان دونوں کی شادی کر دی۔ الحمدللہ۔ پٹھان نوجوان کا نام شاید عزیز خان تھا یاد نہیں۔ شاہ تاج شوگر مل میں نوکری کرتا تھا۔

ربوہ کے زمانہ یا جہلم کے زمانہ میں اس جوڑے کو ملنے کے لئے خاکسار شاہ تاج شوگر مل منڈی بہاؤالدین گیا تھا۔ دونوں میاں بیوی خوش تھے۔ الحمدللہ۔ شاید ان کی ایک بچی بھی تھی یاد نہیں رہا۔

یہاں کچھ تعلیم یافتہ نوجوان تھے جن میں سے ایک ڈاکٹر عبد الخالق صاحب تھے جو ڈاکٹر عمر دین صاحب کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ڈاکٹر عمر دین صاحب واقف زندگی ڈاکٹر کے طور پر افریقہ میں رہے بعد میں فضل عمر ہسپتال ربوہ میں چیف میڈیکل آفیسر بھی بنے تھے۔

ڈاکٹر عبد الخالق صاحب اور ان کے ساتھ بعض اور نوجوان تھے نام یاد نہیں رہے۔ یہ ایسے نوجوان تھے جو مسجد میں بہت کم آتے تھے۔ میں نے ان کو کہا کہ چلیں ہم ربوہ چل کر حضورؒ سے ملاقات کر آئیں تو وہ خوشی سے راضی ہو گئے۔ چنانچہ پرائیویٹ

سیکرٹری صاحب کی معرفت حضور انورؒ سے اجازت لے کر ہم مقررہ وقت پر حضور سے ملنے ربوہ پہنچ گئے۔ حضور انورؒ کی ملاقات سے سب بہت خوش ہوئے۔ ان کو اندازہ نہیں تھا کہ حضور سے ملاقات کیسی ہوتی ہے۔ حضور کس طرح باتیں کرتے ہیں۔ حضور ایسی علمی دلچسپ گفتگو فرماتے تھے کہ پڑھے لکھے لوگ حیران ہوتے تھے، بہت خوش ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ جاری رکھنا تھا لیکن ہمارے گلگشت کالونی کے امیر صاحب نے حضور کی خدمت میں لکھا کہ مربی صاحب کو یہ کام نہیں کرنا چاہئیے۔ یہ کام تو امیر کا ہوتا ہے کہ کس کی حضورؒ سے ملاقات کرائیں۔

محترم شیخ محبوب عالم صاحب خالد (ناظر بیت المال آمد و پرائیویٹ سیکرٹری صاحب) نے مجھے منع کیا کہ آپ یہ کام امیر صاحب کے لئے چھوڑ دیں۔

گلگشت کالونی میں سب پڑھے لکھے تھے۔ایک چوہدری عبد الحئی صاحب تھے۔ان کا ضلع جھنگ سے تعلق تھا۔ یہاں سوئی گیس کمپنی میں انجینئر تھے۔ مربی کوارٹر میں سوئی گیس کا connection pipeline نہیں تھا۔ چوہدری عبد الحئی صاحب نے بہت کوشش کرکے مربی کوارٹر میں سوئی گیس کا connection لگوا دیا تھا۔ ہر طرح ہمارا بہت خیال رکھتے تھے۔ سبھی لوگ خیال رکھتے تھے۔

ڈاکٹر محمد شفیق سہگل صاحب کی Vegetable oil کی فیکٹری تھی۔ بہت نیک طبیعت شریف آدمی تھے۔ان کی اہلیہ صاحبہ آپا نسیمہ لاہور ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج شیخ بشیر احمد صاحب کی دختر نیک اختر تھیں۔ وہ جمعہ کے روز مسجد میں آتی تھیں۔ میری بیوی کی دیکھ بھال کے لئے کافی وقت دیتی تھیں۔ دھلنے والے کپڑے ہمارے روکنے کے باوجود

اپنے ساتھ لے جاتیں اور اپنے گھر سے دھو کر صاف کر کے سکھا کر بھجوا دیتی تھیں۔ بہت ملنسار تھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان لوگوں کو خوش رکھے۔

ملتان صدر کا حلقہ الگ حلقہ تھا۔ یہاں ملک فاروق کھوکھر صاحب کا مکان اور اس کا احاطہ بڑا وسیع پلاٹ تھا۔ اس میں مسجد تھی، کھیلنے کا میدان تھا۔ ملک فاروق صاحب کے والد ملک عمر علی کھوکھر صاحب ملتان کے بڑے زمینداروں میں سے ایک تھے۔ اس حلقہ میں بھی خاکسار جایا کرتا تھا۔ یہاں چوہدری عبدالشکور صاحب صدر حلقہ تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب سے ملاقات

چوہدری عبدالشکور صاحب ڈاکٹر عبدالسلام صاحب ((Nobel laureate کے چچازاد بھائی تھے اور بہنوئی بھی۔ چوہدری عبدالشکور صاحب خوش مزاج، ہنس مکھ اور ملنسار تھے۔ اسی زمانہ میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب ایک دفعہ ایک Conference میں شرکت کے لئے کراچی گئے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر سلام صاحب کے والد صاحب چوہدری محمد حسین کا حکم تھا کہ جب بھی پاکستان جاؤ اپنی بہن کو ضرور مل کر آنا۔ ایک روز ڈاکٹر سلام صاحب اپنی ہمشیرہ کو ملنے ملتان آئے۔ کراچی سے ہوائی جہاز پر آئے دو گھنٹوں بعد واپس جانا تھا۔

ڈاکٹر سلام صاحب کے پرائمری کے ایک استاد صاحب ہمارے حلقہ گلگشت کالونی میں رہتے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے وہ وفات پا گئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ان استاد صاحب کے گھر تعزیت کے لئے جانا تھا۔ چوہدری شکور صاحب نے مجھے پیغام بھجوایا

کہ آپ اس گھر پہنچ جائیں۔ خاکسار نے بھی اس گھر میں جا کر ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی۔ ڈاکٹر سلام صاحب بیمار تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے اور 2-3 دفعہ ملنے کا موقع ملا۔ ان کے والد چوہدری محمد حسین صاحب کی وفات کے بعد جن کی تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہوئی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ان کا تابوت قبر میں اتارتے وقت خاکسار بھی ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ایک ہی رسی پکڑے ہوئے تھا۔ ڈاکٹر صاحب بنگلہ دیش میں بھی آئے تھے۔ اس وقت بھی مجھے ملاقات کا موقع ملا تھا۔

گلگشت کالونی ملتان سے ربوہ واپسی

گلگشت کالونی میں زیادہ عرصہ رہنے کا موقع نہیں ملا۔ یہاں سے مجھے ربوہ بلایا لیا گیا۔ دفتر حدیقۃ المبشرین کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ہدایت دی کہ مجھے قریب لایا جائے کیونکہ مجھے بار بار حضور سے ملنے کا شوق رہتا ہے۔ ملتان ربوہ سے بہت دور ہے۔ سیکرٹری حدیقۃ المبشرین نے ناظر صاحب اصلاح وارشاد مقامی کو یہ بات لکھ دی تھی۔ چنانچہ میں ربوہ چلا گیا۔ مولانا انیس الرحمٰن بنگالی مرحوم لندن سے آکر ربوہ میں رہ رہے تھے۔ انہیں گلگشت کالونی ملتان متعین کیا گیا۔ بعد میں کسی وقت مولانا انیس الرحمٰن صاحب سے ملنے کے لئے پھر ملتان گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ مولانا انیس الرحمٰن صاحب کو جنت نصیب کرے۔ آمین

ربوہ میں آنے کے بعد شروع میں مجھے بہت تکلیفوں کا سامنا ہوا۔ رہنے کی جگہ نہیں تھی۔ کیونکہ اب تک کسی جگہ میری تقرری نہیں ہوئی تھی۔

محترم چوہدری حمید اللہ صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کے بعد صدر خدام الاحمدیہ رہے۔ اس کے بعد افسر جلسہ سالانہ اور ناظم دار الضیافت بنے۔ اس زمانہ سے ناظم صاحب دار الضیافت کو ناظر ضیافت بھی بنایا گیا۔ چوہدری حمید اللہ صاحب نے محترم ناظر صاحب اعلیٰ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب سے اجازت لے کر میرے لیے رہائش کا انتظام کروا دیا تھا۔ حضرت جلال الدین شمس صاحبؓ مرحوم کا کوارٹر خالی پڑا تھا۔ بہت بڑا مکان تھا۔ ایک حصہ میں ہمیں بھی رہنے کی اجازت مل گئی تھی۔

حضرت خلیفہ المسیح الثالثؒ کی خاص شفقت اور مہربانی مجھ پر ہمیشہ رہی پہلے بھی ذکر آچکا ہے۔ اب حضورؒ نے مجھے ملتان سے ربوہ بلا لیا۔ ناظر صاحب اصلاح وارشاد سوچ رہے تھے کہ میری تقرری کے بارہ میں حضورؒ کی خدمت میں لکھیں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا انتقال پُر ملال اور خلافت رابعہ کا انتخاب

کچھ دنوں کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اسلام آباد تشریف لے گئے۔ کچھ دن کے لیے وہاں قیام تھا۔ حضور اچانک بیمار ہو گئے۔ چند دن حضور بیمار رہے۔ حضور کو دل کی تکلیف تھی۔ لندن سے ایک خاص ڈاکٹر بلا لئے گئے۔ لیکن چند روز بیمار رہ کر حضورؒ انتقال فرما گئے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے انتقال کی دلخراش اطلاع ہمیں فجر سے کچھ وقت پہلے ملی تھی۔ یہ بھی ایک عجیب منظر تھا۔ سارا

ماحول اُداس ہو گیا۔ ہر طرف خاموشی، ہر شخص نیچے کی طرف سر جھکا کر چل رہا تھا۔ ہر ایک چشم اشکبار تھی۔ 8-9 جون، 1982ء کی رات 12 بجے کے بعد حضورؒ کا انتقال ہوا تھا۔ اہل ربوہ کے لئے خبر عام ہونے تک رات کے تین بج گئے تھے۔ یہ نہایت عمدہ نظام اور انتظام جماعت کا ہے جو اس روز مَیں نے دیکھا کہ مرکز یعنی حضورؒ کے بعد ناظر صاحب اعلیٰ مرکز کے نگران ہوتے ہیں۔ مرکز کی طرف سے ممالک کے ہیڈ کوارٹرز کو اطلاع دی جاتی ہے۔ وہاں سے آگے اضلاع اور شہر یا گاؤں کے انتظام کو خبر دی جاتی ہے۔ ہمارے صدر صاحب عمومی ربوہ شہر کے منتظم اعلیٰ ہوتے ہیں۔ وہ حلقہ جات کو خبر دیتے ہیں۔ حلقہ کے صدر صاحب آگے ہر گھر میں خبر بھیجتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے لکھا ہے کہ ہر طرف خاموشی تھی، اُداسی تھی۔ سب لوگ اپنی اپنی راہ پر چل رہے تھے۔ کوئی بلا ضرورت بات نہیں کرتا تھا۔ نمازوں پر مساجد میں جا رہے تھے۔ نمازیں ہو رہی تھیں۔ لوگ مسجد سے واپس گھروں کو آ رہے تھے۔ یا اپنے اپنے کام پر چلے جاتے تھے۔

محترم مولانا عبد المالک خان صاحب ناظر اصلاح و ارشاد مرکزیہ نے مربیان کی ڈیوٹیاں لگا دیں۔ اُس زمانہ میں سارے ربوہ میں 29 مساجد تھیں۔ میری ڈیوٹی مسجد مبارک میں تھی۔ ہدایت تھی کہ خاص ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر نہیں جانا۔ اعلان ہو گیا کہ جمعرات 10 جون بعد نماز ظہر مجلس انتخاب خلافت کا اجلاس مسجد مبارک میں ہو گا۔ جس میں نئے خلیفہ یعنی خلیفۃ المسیح الرابع کا انتخاب ہو گا۔

حضورؒ کا انتقال منگل کے دن رات گئے ہوا تھا۔ بدھ کی دوپہر قریباً دو بجے حضورؒ کا جسد خاکی اسلام آباد سے قصر خلافت ربوہ پہنچ گیا۔ جسد خاکی ایسی عمارت میں رکھا گیا کہ لوگ ایک طرف سے اندر جائیں اور حضورؒ کے چہرہ مبارک کی زیارت کریں اور آگے دوسری طرف سے نکل جائیں۔ وقت کا اعلان کر دیا گیا کہ کتنے بجے سے کتنے بجے تک مرد حضرات زیارت کریں گے اور کتنے بجے سے کتنے بجے تک عورتیں زیارت کریں گی۔

بدھ کی صبح سے لوگ بیرون ربوہ سے ربوہ میں آکر جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ لوگ آتے جارہے تھے۔ لنگر خانہ یعنی مہمان خانہ میں مسلسل کھانے کا انتظام تھا۔ مجھے تو مسجد مبارک کے علاوہ کسی جگہ کی خبر نہیں تھی۔ نماز کے وقت مسجد بھر جاتی تھی۔ نماز کے بعد بہت سے لوگ باہر جاتے تھے اور بہت سے لوگ مسجد میں ہی ٹھہرے رہتے تھے۔

مؤرخہ 10 جون کو بعد از نمازِ ظہر و عصر مسجد مبارک میں خلافت رابعہ کا انتخاب ہوا۔ صاحبزادہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع منتخب ہوئے۔ انتخاب کے بعد لاؤڈ اسپیکر پر اعلان ہوا اور مسجد میں داخل ہو کر بیعت میں شامل ہونے کے لئے کہا گیا۔ ہم سب لوگ مسجد کے اندر جا کر پہلی بیعت میں شامل ہوئے۔ دوران انتخاب خاکسار بعض لوگوں کے ساتھ مسجد مبارک کی مغرب میں کھلی جگہ پر کھڑا رہا۔ الحمدللہ۔

انتخاب کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے مبارک جسدِ خاکی کو بہشتی مقبرہ لے جایا گیا۔ بہشتی مقبرہ میں سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے نماز جنازہ

پڑھایا۔ اسکے بعد تدفین عمل میں آئی۔ قریباً ایک لاکھ احباب کرام جنازہ میں شامل ہوئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی چند یادیں

1972ء میں کچھ لوگ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے خلاف بہت ناپسندیدہ باتیں مختلف طریق سے پھیلا رہے تھے۔ 10مارچ 1972ء کو حضورؒ نے ایک پر جلال خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے۔ مسجد مبارک میں یہ خطبہ ہوا تھا۔ حضورؒ نے اپنے خلاف اعتراضات کے جوابات ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا"اور جہاں تک میرا تعلق ہے، ایک اور تکلیف کے وقت میں نے خدا تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی اور میں اس خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے اس مسجد میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اس نے مجھے بڑے پیار سے فرمایا یَا دَاوٗدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْأَرْضِ۔پس میں خلیفہ اس لئے نہیں ہوں کہ تم میں سے کسی گروہ نے مجھے منتخب کیا ہے۔ میں خلیفہ اس لئے ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے منتخب کیا اور خلیفہ بنایا اور پیار کے الفاظ سے یاد فرمایا۔ غرض خلیفہ خدا ہی بنایا کرتا ہے۔ انسانوں کا یہ کام ہی نہیں اور جن کو خدا خلیفہ بناتا ہے وہ انسانوں کے کام پر تھوکتے بھی نہیں اور نہ ان کی پرواہ کرتے ہیں"۔(خطبات ناصر جلد چہارم صفحہ 96)

اس میں میری خوش قسمتی یہ ہے کہ مَیں خود اس وقت بنفس نفیس حاضر تھا اور مشاہدہ کر رہا تھا کہ حضورؒ خدا کی قسم کھا کر اپنے پر نازل شدہ الہام کا اعلان فرما رہے ہیں۔

میں نے حضرت مسیح موعودؑ یا اور کسی خلیفۂ وقت کو نہیں دیکھا۔ پڑھا تو تھا دیکھا نہیں تھا کہ میرا پیارا امام جس کے ہاتھ پر میری بیعت ہے وہ اپنے اوپر نازل شدہ الہام کا اعلان فرما رہا ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے حضور انورؒ کو دیکھ رہا تھا اور اپنے کانوں سے سن رہا تھا...... اس واقعہ کا ذکر میں نے اپنی کتاب Ahmadiyya Khilafat in Islam میں بھی درج کیا ہے۔ الحمد للہ۔ حضورؒ کے خطبہ کا اقتباس مَیں خلافت لائبریری میں محفوظ خطبات کے قلمی نسخہ سے نقل کر کے لایا تھا جو میری کتاب میں ہے۔ اس وقت یہ خطبہ شائع نہیں ہوا تھا۔

اسی طرح غالباً 1976ء کی بات ہو گی صحیح یاد نہیں ہے۔ گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔ کسی کام سے اسلام آباد گیا ہوا تھا۔ جماعت احمدیہ اسلام آباد کی بڑی مسجد میں خطبہ جمعہ تھا۔ اگرچہ مسجد کی تعمیر مکمل نہیں ہوئی تھی۔ خطبہ جمعہ کا مضمون کیا تھا کیسا تھا وہ مجھے یاد ہے جو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

میرے الفاظ میں خطبہ کا خلاصہ یہ تھا کہ ”تم ہمیں کافر کہتے ہو! اللہ تعالیٰ کافروں سے ایسا سلوک فرماتا ہے۔ جیسے ہمارے ساتھ ہمارے خدا کا سلوک ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (اس میں سے بعض آیتیں تو ضرور یاد ہیں)۔ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ (الواقعہ:60) کیا تم ہو جو اسے پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (الواقعہ:65) کیا تم ہی ہو جو اسے اگاتے یا ہم اگانے والے ہیں؟ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (القلم:36-37) پس کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی طرح بنالیں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے فیصلے کرتے

ہو؟ اس طرح اور آیات تھیں۔ یعنی مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ کا سلوک اور ہے اور کفار کے ساتھ سلوک اور۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے اور ہمارے ساتھ کیا سلوک فرماتا ہے۔ جس وجہ سے میں اس خطبہ کا ذکر کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ خطبہ جمعہ کی کیفیت کیا تھی۔ مَیں نے قریب سے دیکھا کہ حضور انورؒ کا چہرہ غیر معمولی طور پر نورانی تھا۔ حضورؒ کی آواز پُر شوکت اور پُر جلال تھی۔ اب تک میری یادداشت میں وہ نورانی چہرہ اور پُر شوکت آواز محفوظ ہے۔ خطبہ کے دوران مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آج کوئی غیر معمولی بات ہے۔

خطبہ جمعہ کے بعد برادرم محترم محمود احمد بنگالی صاحب صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ اور محترم حافظ مظفر احمد صاحب کی حضور سے ملاقات ہوئی۔ حضورؒ نے ان کے سامنے بیان فرمایا کہ کیا ہوا تھا۔ حضور نے فرمایا کہ خطبہ کے نوٹس حضور کے ہاتھ میں تھے۔ لیکن حضور جب خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو اچانک حضور کے دل میں وہ خطبہ وارد ہوا جو حضور نے بیان فرمایا۔ ارتجالاً یعنی simultaneous خطبہ تھا۔ نوٹس سامنے رہے لیکن حضور نے نوٹس نہیں دیکھے جس کا مضمون ہی اَور تھا۔

میری بہت خوش قسمتی ہے کہ نامعلوم کس طرح مَیں اس موقع پر پہنچ گیا اور بنفس نفیس مشاہدہ کیا۔ الحمدللہ۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جلسہ سالانہ کے بعد تمام مربیان حضورؒ کے ساتھ اجتماعی ملاقات کرتے تھے۔ 1981ء کے جلسہ سالانہ کے بعد مربیان کی ملاقات میں حضورؒ نے بہت سی باتیں مربیان کے سامنے بیان فرمائیں۔

ان میں ایک یہ تھی کہ (میرے الفاظ میں) میں آپ سب کو خوب جانتا ہوں۔ آپ میں سے بہت سے ہیں جو بہت اعلیٰ درجہ کے مخلصین ہیں اور بعض درمیانی درجہ کے ہیں۔ گزارہ کر رہے ہیں۔ لیکن بعض تیسرے درجہ کے ہیں جن کو سزائیں ملنی چاہئیں۔ لیکن میں سزائیں نہیں دینا چاہتا کیونکہ خود تو سزا دے نہیں سکتا۔ اگر سزا دینی ہے تو اس کے انتظامات کرنے ہوں گے۔ اور اس طرح کچھ کمی یا زیادتی ہو سکتی ہے۔ میں آپ کو خدا کے حوالہ کرتا ہوں۔ آپ خدا کے سامنے جوابدہ ہونگے۔

کچھ میری ذاتی باتیں ہیں۔ حضور مجھ سے بہت زیادہ شفقت اور پیار کرتے تھے۔ میرے لیے عجیب واقعہ ہے کہ حضور نے سیکرٹری حدیقۃ المبشرین سے فرمایا (جہاں تک مجھے یاد ہے مولانا فضل الٰہی انوری صاحب سابق مبلغ انچارج جرمنی ان دنوں سیکرٹری تھے) کہ امداد الرحمٰن کو میرے قریب رکھا جائے، سیکرٹری صاحب کے نوٹ پر ناظر صاحب اصلاح و ارشاد نے مجھے ربوہ بلایا تھا۔ میں ربوہ رہ رہا تھا۔ کسی جگہ ابھی تقرری نہیں ہوئی تھی۔ اتنے میں حضور کی وفات ہو گئی۔ حضور کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے مجھے خیال آیا کہ حضور نے تو مجھے قریب رہنے کے لیے فرمایا ہے۔ سو مجھے مسجد مبارک میں پہلی صف میں ہی ایسی جگہ کھڑا ہونا چاہیے کہ حضور جب نماز کے لیے مسجد میں داخل ہوں تو حضور کی بابرکت نگاہ مجھ پر پڑے۔ چنانچہ محراب میں حضورؒ کے پیچھے ناظر صاحبان کیلئے 3،4 لوگوں کی جگہیں چھوڑ کر میں کھڑا ہو گیا۔ میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ خدا نے میرے دل میں ایسی بات ڈالی اور میں اس پر عمل کرتا رہا۔

اور اچھی قمیص درست کر کے پہن کر جاتا رہا۔ الحمد للہ۔ مجھے یقین ہے کہ ہر نماز میں حضورؒ کی بابرکت نظر مجھ پر پڑتی تھی۔

حضورؒ پر نور کا چہرہ زیادہ پُر نور اور پُر سکون ہو گیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ حضورؒ میرے لیے دعائیں کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ حضورؒ کو جنت میں اپنے قرب میں جگہ عطا فرمائے۔ حضورؒ کے اہل وعیال کے لیے، بچوں کے لیے دعائیں کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپؒ ہمارے لیے بہت دعائیں کرتے تھے۔ اسی طرح پرانے بزرگوں کے لئے، ان کی اولاد کے لیے دعائیں کرنی چاہییں۔ وہ تو ہمارے لیے دعائیں کرتے رہے۔

حضورؒ کے انتقال کے چند روز بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے خاص طور پر پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے دفتر میں چار ڈیسک قائم فرمائے تھے۔ انگریزی ڈیسک کے لیے پہلے حبیب اللہ احمدی صاحب جامعہ کے انگریزی کے استاد کو انچارج مقرر کیا گیا۔ عربی ڈیسک کے لیے مولوی فضل الٰہی صاحب بشیر اور انڈونیشین ڈیسک کے لیے مولوی محمد سعید صاحب انصاری سابق مبلغ انڈونیشیا مقرر ہوئے۔ خاکسار کو بنگلہ ڈیسک کا انچارج مقرر کیا گیا۔ حضورؒ کا ارشاد تھا کہ خطوط کے جوابات بھی بنگلہ میں لکھے جائیں اور حضورؒ خود دستخط فرمائیں گے۔ میری طبیعت مانتی نہ تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ بنگالی لوگ زیادہ خوش نہیں ہوں گے۔ لیکن حضور کی تاکید پر آخر ایسا شروع کیا تھا کہ میں بنگلہ زبان میں جواب لکھوں۔ حضورؒ دستخط فرماتے تھے۔ باقی ڈیسک انچارج صاحبان تھوڑے وقت کے لیے آتے تھے اپنے حصے کے اپنی اپنی زبان کے تراجم وغیرہ کر کے چلے جاتے تھے۔ خاکسار کے ذمہ کوئی اَور کام نہ تھا۔ اس لیے صبح سے شام تک پورا وقت یہاں کام

کرتا۔ بنگلہ زبان کے خطوط کے تراجم اور ان سکے جوابات۔ باقی اوقات کے لیے میرے ذمہ مبلغین کی ڈاک اور بعض خاص قسم کی ڈاک کا خلاصہ بنانا تھا۔ روزانہ جو خطوط حضور کی خدمت میں آتے تھے ان سب کا خلاصہ اسی روز بنانا ضروری تھا اور جس روز وقت بچتا اُس روز انگریزی جوابات ڈرافٹ کر کے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو دینے ہوتے تھے۔ وہ انگریزی زبان چیک کر کے ٹائپ کے لیے Typist کو دیتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ 1984ء میں لندن تشریف لے گئے۔ اس کے بعد بھی ہمارا کام جاری رہا۔ ہمارے حصے کا کام آہستہ آہستہ ختم ہو گیا تھا۔ 1986ء میں مجھے نظارت اصلاح و ارشاد واپس بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد میری تقرری بطور مربی جہلم شہر میں کی گئی۔ جہلم بہت خوبصورت علاقہ تھا۔ جو دریائے جہلم کے کنارے واقع ہے۔ اس کے بعد پہاڑی علاقہ یعنی راولپنڈی کا علاقہ شروع ہوتا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ جہلم تشریف لائے تھے۔ جہلم شہر میں ہماری جو مسجد تھی وہ حضرت مولوی برہان الدین رضی اللہ عنہ کی مسجد تھی۔ بہت پرانی تاریخی مسجد تھی۔ بعد میں سنا ہے کہ پرانی مسجد شہید کر کے نئی مسجد بنائی گئی ہے۔

جہلم شہر کے قریب محترم صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کی چپ بورڈ فیکٹری واقع تھی۔ محترم میاں صاحب یہاں رہتے تھے۔ خاکسار کو انہوں نے فیکٹری دکھائی تھی۔ بہت نیک طبع، ہنس مکھ، بزرگ اور خوش باش انسان تھے۔ محترم میاں صاحب کے پاس حضرت مسیح موعودؑ کے تبرکات تھے۔ انہوں نے مجھے اور میرے بیوی بچوں کو دکھائے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ وہ دیگچی یعنی چھوٹا برتن جس میں کھانا پکایا جاتا تھا۔ غالباً

پیتل کا تھا۔ اس پر میاں محمودؓ کا نام کندہ تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے لکھا ہوا تھا۔ ''محمود کی والدہ''۔ اس دیگچی کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں ایک روز حضرت اماں جانؓ نے میٹھے چاول پکائے تھے۔ چاول تھوڑے تھے لیکن بعد میں حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ حضورؑ سے ملنے آئے تھے تو تھوڑے چاول کافی زیادہ ہو گئے تھے۔ بعد میں اور مہمانوں کو اس میں سے کھانا باہر بھی بھجوایا گیا تھا۔ مہمانوں کو اطلاع ہو گئی تھی کہ یہ وہ چاول ہیں جو تھوڑے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ اس قسم کے اَور بھی واقعات ہیں۔

جہلم کے سب احباب کرام مجھ سے بہت زیادہ اچھا سلوک کرتے رہے۔ بعض خاص خاندان تھے مثلاً راجہ مسعود احمد صاحب کے والد صاحب کا نام بھول گیا ہوں۔ بہت نیک بزرگ تھے۔ راجہ مسعود احمد صاحب بعد میں لندن چلے گئے تھے۔ سیٹھی صاحبان کے بڑے خاندان وہاں آباد تھے۔ منظور الحق سیٹھی صاحب بہت مشہور سیشن جج تھے۔ ان کے بارہ میں بہت دلچسپ واقعات ہیں۔ جج صاحب کے چھوٹے بھائی میرے بہت اچھے دوست بن گئے تھے۔ افسوس ہے کہ نام بھول گیا ہوں۔

جہلم شہر کی ایک خاص بات یہ ہے کہ 1974ء میں احمدیوں کے خلاف ذوالفقار علی بھٹو نے جو ظلم اور تشدد کیا تھا۔ ان فسادات میں احمدیوں کی سب دکانیں جلا دی گئی تھیں۔ مجھے احمدیوں نے بتایا کہ ان کی 35 دکانیں تھیں جو جلا دی گئیں تھیں۔ 1986ء تک تین دکانیں دوبارہ کھول کر چلانا شروع کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ پاکستان میں احمدیت کو غلبہ دے۔ (آمین)

ہم جہلم میں تھے۔ اس عرصہ میں میرے بیوی بچوں کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے والدین سے ملنے بنگلہ دیش جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ اپریل 1987ء میں میرے بیوی بچے والدین اور رشتہ داروں سے ملنے بنگلہ دیش آ گئے۔ میں جہلم میں تھا ایک ماہ رمضان میں مجھے اسلام آباد سے 30-25 میل دور پہاڑی علاقہ کے ایک گاؤں میں بھجوایا گیا۔ جنگل اور پہاڑی علاقہ جہاں کہیں کہیں بعض گاؤں آباد تھے۔ مجھے جہاں بھجوایا گیا وہاں کشمیر سے آئے ہوئے لوگوں کا گاؤں تھا۔ یہاں کچھ لوگ احمدی تھے۔ چھوٹی سی جماعت تھی۔ مجھے بہت اچھا موسم ملا۔ پنجاب میں سخت گرمی تھی لیکن یہاں موسم سرد تھا۔ رات کو لحاف لینا پڑتا تھا۔ یہاں پانی پہاڑی نالے کا استعمال ہوتا تھا۔ پانی بہت نیچے جا کر نالے سے عورتیں لایا کرتی تھیں۔ گاؤں کے مکانات اونچائی پر ہوتے ہیں۔ ان کشمیریوں کا طرزِ رہائش عجیب ہے۔ عورتیں کام کرتی ہیں۔ مرد صرف ہل چلا کر فصل بیجتے ہیں۔ باقی گندم وغیرہ کی کٹائی اور صاف کر کے گھر لانا اور سارے کام عورتیں کرتی تھیں۔ یہ علاقہ مجھے اچھا لگا۔ پہاڑی علاقہ ہے ہر طرف جنگل ہے۔ گرمی میں بہت آرام ہے۔ سردی میں البتہ بہت سردی ہوتی ہے۔

اپریل 1987ء میں میری اہلیہ اور بچے حضور انورؒ کی خاص اجازت سے بنگلہ دیش آئے ہوئے تھے۔ جون میں واپس جانے والے تھے۔ لیکن اتنے میں میرا تبادلہ بنگلہ دیش ہو گیا۔ اور میرے بچوں کو پاکستان واپس جانے سے روک دیا گیا۔ اسکی بجائے مجھے بنگلہ دیش آنا پڑا۔

پاکستان کے واقعات کو ختم کر کے بنگلہ دیش کے واقعات کا بیان شروع کرنا ہے۔ پاکستان کی اَور بھی کچھ باتوں کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

خدام الاحمدیہ ربوہ میں خدمت کا موقع ملتا رہا

جامعہ میں داخلہ کے ایک سال بعد سے خدام الاحمدیہ میں کام شروع ہو گیا تھا۔ جو بھی زعیم صاحب مقرر ہوتے تھے مجھے کوئی نہ کوئی ذمہ داری دیتے رہے۔ منتظم اطفال سے کام شروع ہوا تھا۔ نائب منتظم تربیت، منتظم تربیت کوئی نہ کوئی ذمہ داری ہوتی تھی۔ اس کے بعد مہتمم مقامی ربوہ کے ماتحت بلاک لیڈر۔ نائب ناظم اطفال ربوہ کی ذمہ داری جبکہ ناظم اطفال مکرم خواجہ عبدالمؤمن صاحب مؤمن کلاتھ ہاؤس والے کے ساتھ کام کرتا رہا۔ عبدالمؤمن صاحب بعد میں ناروے چلے گئے تھے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ تھے۔ اس زمانہ میں مجھے اردو نہیں آتی تھی۔ آپ کے بعد محترم چوہدری حمید اللہ صاحب صدر خدام الاحمدیہ بنے۔ اس زمانہ میں مکرم عطاء المجیب راشد صاحب (مبلغ انچارج یوکے) مہتمم اطفال رہے۔ اطفال الاحمدیہ مرکزیہ میں خاکسار کو ایڈیشنل جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ مشرقی پاکستان کے اطفال الاحمدیہ سے رابطہ رکھنا میرا کام تھا۔ مکرم مہتمم اطفال عطاء المجیب راشد کے بعد مکرم محمد اسلم صاحب صابر (لیکچرر ٹی آئی کالج) مہتمم اطفال بنے۔ خاکسار کو ایڈیشنل سیکرٹری عمومی بنائے رکھا۔ اس زمانہ کے روزنامہ الفضل میں ذکر ہے۔

1970ء میں ہماری کوشش سے ڈھاکہ سے دو اطفال خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع میں شریک ہوئے تھے۔ (1) جمال الدین ولد لقیۃ اللہ صاحب چٹاگنگ اور (2) منصور احمد ولد شیخ ظفر احمد قائد مجلس خدام الاحمدیہ ڈھاکہ۔ صدر مجلس خدام الاحمدیہ کے ساتھ اُن اطفال کے فوٹو بنوائے گئے تھے۔ میرے پاس فوٹو تھے مگر اب نہیں ہیں۔ اس کے بعد تو بنگلہ دیش آزاد ملک بن گیا۔

مولانا انیس الرحمان بنگالی صاحب اسلام آباد میں بطور مربی سلسلہ متعیّن تھے۔ اس زمانہ میں بہت سے بنگالی افسران اسلام آباد میں رہتے تھے۔ بعض احمدی بھی تھے۔ مکرم عبد الحق ورک صاحب اسلام آباد کے امیر تھے۔ ایک روز ان کی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں بھی بیٹھنے کا موقع ملا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اسلام آباد سے شمالی علاقہ میں تشریف لے جانے والے تھے۔ دوپہر کو ایک پہاڑ کے اوپر ریسٹ ہاؤس میں حضورؒ نے دوپہر کا کھانا تناول فرمانا تھا اور تھوڑی دیر ریسٹ کرنا تھا۔ اسلام آباد جماعت نے حضورؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ وہ دوپہر کا کھانا پیش کریں گے۔ حضور انور نے منظور فرمایا۔

اسلام آباد کی عاملہ کے بعض ممبران حضور انورؒ کے ساتھ دوپہر کے کھانے میں شریک ہونے والے تھے۔ مولانا انیس الرحمان صاحب نے تو مربی کی حیثیت سے اس تقریب میں شامل ہونا ہی تھا۔ خاکسار مولانا انیس الرحمان صاحب کے ساتھ تھا۔ امیر صاحب اسلام آباد نے مجھے بھی اس تقریب میں مولانا انیس الرحمان صاحب کے ساتھ شامل ہونا منظور فرمایا۔ اس مقام کا نام بھول گیا ہوں۔ بہت خوبصورت پہاڑ کے اوپر

ریسٹ ہاؤس واقع ہے۔ باہر خوبصورت Lawn یعنی صحن تھا۔ ہم سب پرائیوٹ کاروں پر وہاں گئے تھے۔ حضور انورؒ کے ساتھ ان کے گھر والے ریسٹ ہاؤس کے اندر تشریف لے گئے۔ حضور انورؒ اچکن پگڑی اتار کر شلوار قمیص میں باہر تشریف لائے۔ حضور کے پاس اپنا کیمرہ تھا۔ حضور بہت سے خوبصورت مناظر کی تصویریں بناتے رہے۔ حضور نے اندر کھانا کھایا اور کھانے میں سے کافی حصہ باہر ہم سب کے لیے بھجوادیا۔ ہم سب نے ان تبرکات سے حصہ لیا۔ بہت لذیذ اور مزیدار کھانا تھا۔ ہم سب گھاس پر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ حضورؒ کھانے کے بعد باہر تشریف لائے۔ ایک آرام دہ کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔ بہت بے تکلفی سے گفتگو فرماتے رہے۔ میری زندگی کا یہ خاص واقعہ ہے کہ حضورؒ اچکن پگڑی اتار کر ہمارے ساتھ ہیں۔ بے تکلف گفتگو فرمارہے ہیں۔ شاملین بڑے بڑے باحیثیت افسران تھے۔ لیکن مجھے بھی شامل ہونے کا موقع دیا گیا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ہمیشہ بہت بے تکلفی تھی۔ جب چاہوں ملاقات کر سکتا تھا۔ جب جامعہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو کئی دفعہ نماز کے بعد حضورؒ مسجد سے باہر نکلتے اور مَیں دوڑ کر سامنے پہنچ جاتا اور مصافحہ کر کے واپس آجاتا۔ شروع سے خاکسار عموماً زبانی بات نہیں کرتا تھا۔ جو بھی بات ہوتی لکھ کر لے جاتا۔ لیکن جب آخری کلاس میں تھا تو حضور نے فرمایا زبانی بات کیا کرو۔ اس کے بعد زبانی بات کرتا رہا۔ میرا خیال ہے کہ میرے اندر بعض چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جس کی وجہ سے حضورؒ مجھ پر زیادہ مہربان تھے۔ مثلاً میں اپنے سب ذاتی معاملات حضورؒ سے اجازت لے کر کرتا تھا۔ ہر بات حضورؒ

کے علم میں لایا کرتا تھا۔ برادرم محترم مجید احمد سیالکوٹی صاحب مربی سلسلہ یوکے کے ساتھ 2014ء میں لندن میں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ 1982۔1981ء میں کچھ عرصہ وہ اسلام آباد میں مربی سلسلہ کے طور پر متعیّن تھے۔ اس زمانہ میں کچھ عرصہ حضورؒ کسی کام سے اسلام آباد میں قیام فرمارہے۔ مجید سیالکوٹی صاحب عارضی طور پر حضورؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری کا کام کرتے رہے۔ مجید سیالکوٹی صاحب نے بتایا کہ میرا خط یا میری کوئی رپورٹ وغیرہ حضورؒ کی خدمت میں پہنچتی تو حضور بہت خوش ہوتے اور بڑی محبت سے میرا ذکر فرماتے۔ مجید سیالکوٹی صاحب نے مجھے بتایا کہ آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کو حضورؒ بہت پسند فرماتے تھے۔ آپ کے لیے دعائیں کرتے تھے۔ حضورؒ کے انتقال کے اتنے سال بعد برادرم مجید سیالکوٹی صاحب سے حضورؒ کی محبت اور شفقت کی باتیں سن کر مجھے بے حد اطمینان ہوا تھا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

2014ء میں تو حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی خاص مہربانی کی بناء پر حضور ایدہ اللہ سے ملنے لندن جانا ممکن ہوا تھا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی شفقت اور محبت کی وجہ سے ہی مجھے ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاص کامیابیاں ملتی رہیں اور اب تک صحت کے ساتھ خدمت پر مامور ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کرے فضل کرے۔ آمین

سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ چند روز بعد حضورؒ کے پرائیوٹ سیکرٹری کے دفتر میں بنگلہ ڈیسک کے انچارج کے طور پر میری تقرری ہوئی۔ شروع میں حضورؒ کی خدمت میں ذاتی ملاقات پر حاضر ہوا

تو حضورؒ نے فرمایا کہ آپ کی صحت اتنی خراب کیوں ہے ؟ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ خلافت سے پہلے وقف جدید کے ناظم تھے۔ اس زمانہ میں حضورؒ اپنے دفتر میں ہومیو پیتھی علاج بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی کچھ عرصہ دفتر وقف جدید کے ایک کارکن مجھے نام یاد نہیں ہے بیماروں کے نام اور کوائف لکھ کر حضورؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے حضور دوا تجویز فرماتے۔ میرے لیے وہ صاحب جب دوا تجویز کرانے کیلئے حضورؒ کی خدمت میں گئے تو حضورؒ نے ان کو فرمایا کہ امدادالرحمان سے کہیں کہ وہ دودھ پیا کرے۔ اُس شریف آدمی نے کہہ دیا کہ وہ تو واقف زندگی ہے دودھ کے لئے خرچ کہاں سے کریں گے۔ یہ سن کر حضورؒ نے پرائیوٹ سیکرٹری صاحب سے فرمایا امدادالرحمٰن کے لئے دودھ کا انتظام کر دیں۔ یعنی حضورؒ کی دودھ کی گائیوں میں سے روزانہ ایک کلو دودھ بھجوایا جائے۔ روزانہ ایک کلو دودھ ہمیں ملتا رہا جب تک ربوہ میں رہے۔

اس کے علاوہ بھی چاول کے موسم میں بعض دفعہ حضورؒ نے مجھے کافی چاول بھجوائے۔ پھر بعض دفعہ اَور تحائف بھی بھجواتے رہے۔ اس کے علاوہ حضورؒ کے بعض بھائی اور بہنوں کے گھر سے بھی تحائف ہمیں ملتے رہے۔ 1991ء میں یو کے جلسہ سالانہ کے بعد جب خاکسار واپس آنے لگا تو حضور انورؒ اور بیگم صاحبہ محترمہ کی طرف سے کئی چیزیں میرے اور میری بیوی کے لئے دی گئی تھیں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ حضرت مسیح موعودؑ کی اولاد میں سے جہاں تک ہو سکا سب سے دعا کی غرض سے ملاقات کرتا رہا۔

میری تبلیغی سرگرمیاں

ہمیشہ تبلیغ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بعض دفعہ شدید مخالفت کا سامنا ہوا۔ پاکستان جانے سے پہلے بنگلہ دیش میں بھی تبلیغ میں حصہ لیا کرتا تھا اور مخالفت کا سامنا کرتا رہا۔

مربی بننے کے بعد غالباً پہلا سال تھا، خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے سالانہ اجتماع کی تیاری کے لیے بعض مربیان کو دو ہفتوں کے لئے بلالیا۔ مجالس میں جاکر خدام کو اجتماع پر آنے کیلئے تیار کرنا تھا۔ مجھے ضلع سرگودھا کی تمام دیہاتی مجالس میں جانے کے لئے کہا گیا۔ چنانچہ تمام علاقوں میں سفر کیا۔ خوشاب جو بعد میں الگ ضلع بنا ان علاقوں میں بھی سفر کیا۔ اس کی حسین یادیں ہیں۔

نور پور تھل کے علاقہ میں سفر کیا۔ صرف ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ پیلو وینس ایک گاؤں ہے جہاں ایک گھر احمدی ہے۔ پورا علاقہ ریگستانی ہے۔ جہاں صرف چنے کی فصل ہوتی ہے۔ تھوڑا جَو بھی ہوتا ہے۔ مٹی کے گھر ہوتے ہیں۔ میں نے پیلو وینس جانا تھا۔ پیلو وینس جانا ہو تو بس پر بیٹھ کر شام کو وہاں پہنچنا ہوتا ہے۔ اگلے روز صبح صبح اسی بس پر واپس آنا ہوتا تھا۔ نہر کے کنارے پر بس چل رہی تھی۔ بعض لوگوں نے مجھے دیکھ کر پوچھ لیا۔ میں نے بتایا فلاں چوہدری صاحب کے گھر جانا ہے۔ اچھا تو بھی مرزائی ہے؟ شروع ہو گئی بکواس۔ میں چپ رہا۔ آخر یہاں تک بات پہنچی کہ بس کو روک لیا گیا کہ اس مرزائی کو نکال دو ورنہ بس کو چلنے نہیں دینا۔

میں نے ارادہ کر لیا کہ اگر دیکھا کہ وہ مجھے پکڑ کر زبردستی کرنے والے ہیں تو میں چھلانگ لگا کر نہر میں کود جاؤں گا۔ میں تو ڈرائیور کے پیچھے والی سیٹ پر تھا۔ ڈرائیور کے دائیں طرف ایک کھڑکی ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا جہاں بولنے کا فائدہ نہ ہو وہاں خاموشی سے دعا کرنا فائدہ مند ہوتا ہے۔ اتنے میں بس میں دو گروپ بن گئے۔ ایک گروپ میرے حق میں ہو گیا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بحث کے بعد بس پھر چلنے لگی۔

خدا کے فضل سے میں نے کبھی ڈر کر غلط بیانی نہیں کی۔ اس علاقہ میں مختلف دیہات میں کہیں ایک گھر کہیں دو گھر احمدی ہیں۔ یہاں کوئی احمدی کسی سے نہیں ڈرتا۔

1977 اور 1984ء میں بنگلہ دیش سفر کیا۔ اپنے اڑانی ہائی سکول میں جا کر اساتذہ کو اور جو دوست ملے ان کو تبلیغ کرتا رہا۔ مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ مربی بن کر بنگلہ دیش جانے کے بعد بھی اپنے علاقوں میں تبلیغی سفر پر گیا اور لٹریچر تقسیم کرتا رہا۔

ربوہ جانے سے قبل اپنے علاقہ میں بھی تبلیغ میں حصہ لیتا رہا اور ربوہ جانے کے بعد بھی بہت سے عزیز رشتہ داروں کو بہت سے تبلیغی خطوط بھیجتا رہا۔ 1970ء کے جلسہ سالانہ پر ربوہ جانے والے بنگالی بھائیوں کے ہاتھ 'ہماری تعلیم' کی بیس (20) کاپیاں اور 'احمدیت کا پیغام' از حضرت مصلح موعودؓ کی بیس کاپیاں منگوا کر ربوہ سے بذریعہ پوسٹ بنگلہ دیش میں عزیز رشتہ داروں کو بھجوائی تھیں۔ میرے نزدیک ہر احمدی پر تبلیغ یعنی پیغام پہنچانا فرض ہے۔

وقف عارضی

جامعہ کے طلباء کے لئے ہر سال دو ہفتے وقف عارضی کرنا ضروری تھا۔ وقف عارضی ایک بہت ہی بابرکت تحریک ہے۔ خاکسار باقی طلباء کی طرح ہر سال وقف عارضی پر جاتا رہا۔ بہت ہی حسین یادیں ہیں۔ جہاں بھی گیا ہوں احباب جماعت سے محبت اور بھائی چارہ کا تعلق قائم ہوتا رہا۔ جہاں بھی گیا ہوں نوجوانوں کو زندگی وقف کرنے کی تحریک کرتا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری تحریک پر بہت سے نوجوانوں نے اپنی زندگیاں وقف کیں۔ آج کئی ایک مربی سلسلہ کے طور پر کام کر رہے ہیں اور بعض تو بہت معزز عہدوں پر فائز ہیں۔

مجھے بہت خوشی ہے کہ بہت سے نوجوانوں کو ایسی بڑی نیکیوں کی تحریک کرنے کی توفیق ملی۔ میرا تجربہ ہے کہ محض للہ محبت سے تحریک کی جائے تو مفید ثابت ہوتی ہے۔ ہمارے دیہاتوں میں نوجوانوں کو رہنمائی کی بہت کمی ہے۔ اگر اچھی رہنمائی ملے تو بہت سے نوجوانوں میں زندگی میں ترقی کرنے کا شوق پیدا ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی احمدی ہو خاص طور پر طلباء کو وقف عارضی ضرور کرنی چاہیے تا کہ دعائیں کر سکیں۔ اپنے گھر کی نسبت وقف عارضی کرنے والے کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ جو کبھی کسی وقف عارضی یا کسی قسم کے وقف میں شامل نہیں ہوئے وہ بڑے محروم ہیں۔

ربوہ چھوڑنے سے قبل کی چند مزید باتیں

پاکستان سے تبادلہ ہو کر بنگلہ دیش میں آنے سے قبل جو ہوا ان میں سے دو واقعات بیان کرتا ہوں۔ میرے بیوی بچوں کو علم نہ تھا کہ وہ واپس پاکستان نہیں جا سکیں گے۔ لیکن پھر بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت صاحبزادی نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ حضرت مسیح موعودؑ کی صاحبزادی سے ملاقات کا موقع حاصل کیا۔ ایک روز پہلے قبل اجازت لے کر ان کی کوٹھی "دخت کرام" پر ان سے ملاقات کی۔ اس وقت میرے دو بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ چھوٹی بیٹی بہت ہی چھوٹی تھی۔ میں تو باہر بیٹھا رہا اور بیوی بچے اندر گئے۔ میری بیوی نے حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہؓ سے درخواست کی کہ ایک گلاس پانی میں سے تھوڑا سا وہ پی کر باقی پانی ہمیں دیں ہم سب پئیں گے۔ چنانچہ حضرت بیگم صاحبہؓ نے ایسا ہی کیا۔ باقی پانی ہم دونوں اور ہمارے بچوں نے تھوڑا تھوڑا کر کے پیا۔

حضرت مسیح موعودؑ کا زمانہ ہم نے نہیں پایا۔ لیکن آپؑ کی بیٹی سے ملاقات کی، ان کے پیئے ہوئے پانی سے ہم نے پیا۔ پردہ میں رہ کر مجھ سے انہوں نے بات بھی کی۔ میں نے دعا کی درخواست کی۔ انہوں نے بھی مجھے دعا کرنے کا فرمایا۔ ہمیں یاد ہے کہ انہوں نے ہمارے بچوں کو گیارہ روپے تحفہ کے طور پر عطا فرمائے تھے۔

ویسے تو کئی طرح سے ہمیں علم ہوا کہ حضرت صاحبؑ کے خاندان کی خواتین مبارکہ بھی جماعت کے لئے، مربیان کے لئے، جماعت کے کام کرنے والوں کے لئے دعائیں کرتی ہیں۔

بالآخر بہت ہی محبت کی جگہ مرکز احمدیت کو چھوڑ کر بنگلہ دیش کے لئے روانہ ہو نے کا وقت قریب آ گیا۔ یہ میری زندگی کا بہت تکلیف دہ واقعہ تھا اور میرے بیوی بچوں کے لئے بھی۔ کئی دفعہ بیوی بچے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ اور بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ سے ملاقات کرتے رہے۔ حضور بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ تحفے عطا فرماتے تھے۔

خاکسار نے اپنے گھر کا سامان ٹرین میں بک کروا دیا اور محترم مولانا سلطان محمود احمد انور صاحب ناظر اصلاح و ارشاد کی مہربانی سے فیصل آباد سے بذریعہ ہوائی جہاز کراچی گیا۔ کراچی گیسٹ ہاؤس میں چند روز ٹھہرا رہا۔ کراچی کے امیر محترم احمد مختار صاحب سے مشورہ کیا اس کے بعد گھر کا بہت سا سامان فروخت کر دیا۔ قریباً 33 کلو گرام کتابیں چھوٹے چھوٹے پیکٹ کر کے کراچی G.P.O. میں جا کر بک پوسٹ کروا دیا۔ قریباً دو ماہ بعد بنگلہ دیش میں ساری کتابیں مل گئیں۔ الحمدللہ۔

ربوہ کے آخری روز قریباً ایک بجے دوپہر ظہر کی اذان ہونے والی تھی اچانک خیال آیا کہ اگر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ یہاں ہوتے تو ان سے خاص ملاقات ہوتی۔ اب کم از کم محترم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی سے تو ملاقات کرنی چاہئے۔

محترم ناظر اعلیٰ صاحب کے دفتر میں گیا۔ اور ان سے کہا کہ صبح میں نے بنگلہ دیش چلے جانا ہے تو آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں نے سوچا تھا کہ مصافحہ اور سلام کر کے رخصت لوں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ اب تو دیر ہو گئی ہے آپ صبح 8 بجے گھر آ کر ملیں۔

اگلے روز صبح ان کے گھر حاضر ہوا۔ محترم میاں صاحب انتہائی سادہ طبیعت کے انسان تھے۔ جنہوں نے دیکھا انہی کو معلوم ہے۔ دوسرے لوگ اندازہ نہیں کر سکتے کہ محترم میاں صاحب کتنے سادہ طبیعت کے تھے۔ ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بات شروع کی اور فرمایا "مربی تو جماعت کا باپ ہوتا ہے"۔ اتنی بات کرتے ہی ان کی آواز رک گئی۔ جذبات امڈ آئے اور بات نہ کر سکے۔ چند لمحے بعد آپ نے اپنے آپ کو ضبط کیا اور فرمایا آپ کی فلائٹ کا وقت ہونے والا ہے۔ انہوں نے دعا کی اور مجھے رخصت فرمایا۔ جس طرح انہوں نے فرمایا "مربی تو جماعت کا باپ ہوتا ہے" وہ مجھے کبھی نہیں بھولتا۔ دل پر گہرا اثر پیدا ہو گیا تھا۔ اے کاش ہم واقفین زندگی مربیان اس بات کو گہرائی میں جا کر سمجھیں اور جماعت کو بھی احساس ہو۔

بعض دفعہ جماعت مربیان کی قدر نہیں کرتی۔ لیکن پھر بھی مربی اگر حقیقی معنوں میں ذمہ داریاں ادا کرتے ہوں، خلیفۂ وقت سے قریبی تعلق ہو تو جماعت بھی ایسے مربیان کی قدر کرتی ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہی اصل بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہو تو سب درست ہو جاتا ہے۔

جب میں ملتان میں مربی تھا تو ایک دفعہ بعض باتیں محترم مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ کے دفتر میں حاضر ہو کر بیان کی تھیں۔ محترم میاں صاحب نے بہت خوبصورت جوابات عطا فرمائے۔ مجھے خوب یاد ہے اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے۔ ان کی باتوں سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ جماعتوں میں کام کرنا آسان ہوتا ہے۔ میں تو بنگلہ دیش آنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ میں پورے طور پر ہجرت پر قائم رہنا چاہتا تھا۔ ڈر تھا کہ

اگر بنگلہ دیش آگیا تو میری ہجرت شاید مؤثر نہ رہے گی۔ اسی طرح ربوہ کے بزرگوں کی صحبت کا میری زندگی پر بہت گہرا اثر ہے۔ اب بھی اکثر ربوہ یاد آنے سے رونا آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میرا انجام بخیر کرے۔

ہوا یہ کہ ایک دفعہ خیال آیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ مجھ سے غیر معمولی شفقت اور نرمی فرماتے ہیں۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضورؒ سے درخواست کروں کہ مجھے کبھی بھی مستقل طور پر بنگلہ دیش نہ بھجوایا جائے۔ اگر کچھ عرصہ کے لئے ہو تو ٹھیک ہے۔ جیسے چوہدری مظفر الدین بنگالی مرحوم چند سال 1945 تا 1946ء میں ڈھاکہ میں مقیم تھے۔ پھر واپس ربوہ چلے گئے تھے۔ اچانک خیال آیا کہ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب سلمہ اللہ سے بات کروں۔ میاں صاحب سے ذکر کیا۔ آپ نے پوچھا کہ آیا اب بنگلہ دیش بھجوائے جانے کی بات ہو رہی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ میاں صاحب نے فرمایا تو پھر ابھی بات کرنے کا کیا فائدہ۔ جب بنگلہ دیش بھجوائے جانے کی بات ہو گی پھر یہ بات کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے زمانہ میں بات شروع ہو گئی تھی کہ بنگلہ دیش میں مربیان بھجوائے جائیں۔ میرا ارادہ تھا کہ حضور کی خدمت میں لکھوں گا لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ہجرت کر کے لندن سفر پر روانہ ہونے سے پہلے آخری روز عشاء کی نماز کے بعد اچانک کھڑے ہو گئے اور چند منٹ کی ایک انتہائی جلالی تقریر فرمائی۔ جس کی قطعاً توقع نہیں تھی۔ مسجد میں کافی حاضری تھی۔ انتہائی اہم باتیں تھیں جس کی ریکارڈنگ نہیں ہوئی۔ مجھے خوب یاد ہے حضورؒ نے ایک بات یہ بھی فرمائی تھی کہ ”آج کے بعد

میری طرف سے آپ کو جو بھی ہدایت ملے فوری طور پر آپ نے عمل شروع کرنا ہے۔ ذرہ دیر نہیں کرنی۔ اگر فوری عمل شروع نہ کریں تو آپ سمجھ لیں کہ آپ احمدی نہیں ہیں۔ امور عامہ کی طرف سے کسی خط کا انتظار نہ کریں۔ آپ جان لیں کہ آپ احمدی نہیں ہیں"۔

ویسے جب بنگلہ دیش آنے کا وقت آیا تب تک سمجھ آگئی تھی کہ حالات اور زمانہ کی ضرورت کے مطابق حضور انور فیصلہ فرماتے ہیں۔ وقت سے پہلے سمجھ نہیں آسکتی کہ کس وقت کیا ہونا مناسب ہے۔ چنانچہ ربوہ چھوڑنا میرے لئے انتہائی تکلیف دہ واقعہ تھا۔ یاد آیا کہ بنگلہ دیش سے ربوہ جانا میرے لئے ہجرت کی بات نہیں تھی بلکہ ربوہ چھوڑنا میرے لئے بہر حال ہجرت سے کم نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ میری اور بیوی بچوں کی ہجرت اور وقف کو قبول فرمائے۔

بطور مربی سلسلہ میرا بنگلہ دیش میں آنا

خاکسار وقت پر ربوہ سے بذریعہ کار فیصل آباد پھر فیصل آباد سے بذریعہ ہوائی جہاز کراچی پہنچا۔ تین چار روز وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد کراچی سے 18 اگست 1987ء کو ڈھاکہ پہنچ گیا۔

میرا تقرر احمد نگر میں ہوا جو بہت اچھی اور بڑی جماعت تھی۔ برسات کا موسم تھا۔ سب سے پہلا کام پاکستانی پاسپورٹ حکومت میں جمع کروا کے بنگلہ دیشی پاسپورٹ

حاصل کرنا تھا۔ ابتدائی کارروائی میں کئی دن لگ گئے۔ مجھے یرقان (jaundice) ہو گیا تھا۔

کُھلنا جماعت میں تقرری

بعد ازاں میرا تبادلہ کُھلنا جماعت میں کر دیا گیا۔ کُھلنا ڈویژنل (divisional) شہر تھا۔ یہاں مربی ہاؤس بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے 18 نومبر 1988ء کو خاکسار بیوی بچوں سمیت کُھلنا پہنچ گیا۔ الحمدللہ۔

کُھلنا جماعت میں بہت سے مسائل تھے۔ لہذا شروع میں مشکلات کا سامنا ہوا لیکن بہت جلد حالات موافق ہو گئے اور ہم نے پورے زور سے کام شروع کر دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 10 جون 1988ء کو مباہلہ کا اعلان فرمایا تھا۔ ہمارے خدام نے نیشنل ہیڈ کوارٹر کی رہنمائی میں مباہلہ کا چیلنج کافی تعداد میں تقسیم کیا تھا۔ علماء کرام نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ پھر بھی کافی لوگ علمائے کرام کو تنگ کرتے رہے کہ قادیانیوں کے چیلنج کا جواب دیں۔ ہم جمعہ کے دن خاص خاص مسجدوں میں اپنے خدام کو بھجواتے رہے تا کہ ہمیں علم ہو کہ علماء کیا کہہ رہے ہیں۔ ایک روز جمعہ کے بعد یہ رپورٹ ملی کہ شہر کے علماء کرام کی Imam Parishad مجلس کے صدر مولوی صاحب نے سب سے بڑی مسجد میں جمعہ کے خطبہ میں ہمارے مباہلہ کے چیلنج کا ذکر کیا۔ چیلنج کا کچھ حصہ پڑھ کر بھی سنایا۔ اور بہت ناراضگی کا اظہار کیا کہ قادیانیوں نے

بہت بڑی گستاخی کی کہ یہ چیلنج شائع کیا۔ ایک نمازی نے اٹھ کر کہا کہ مولانا صاحب! آپ ان کا چیلنج قبول کر لیں! (یہ لوگ مباہلہ کیا ہے؟ نہیں سمجھتے) خطیب صاحب نے ڈانٹ دیا اور کہا 'بیٹھ جاؤ! تمہیں پتہ ہے کیا کہہ رہے ہو! اس واقعہ کے بعد مباہلہ والی شورش آہستہ آہستہ ختم ہو گئی۔ اور ہم جماعت کی صد سالہ جوبلی کی تیاری کرنے لگے۔

مقامی مجلس خدام الاحمدیہ کُھلنا نے اچانک ایک رات ہمیں کسی کو بتائے بغیر بڑے بڑے موٹے حروف میں اشتہار شائع کیا۔ اصل میں اشتہار نہیں بلکہ دیواروں پر چپکانے والا پوسٹر (poster) تھا۔ شہر کی بہت سے دیواروں پر یہ پوسٹر گوند سے چپکا دیے گئے۔ اس میں لکھا ہوا تھا "امام مہدی ظاہر ہو گئے ہیں۔ معلومات کیلئے ہمارے Office میں آئیں"۔ لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر ہمارے خدام نے یہ کیا کہ بہت سے لوگوں کو خاص کر مولویوں کو جا کر پوچھتے رہے کہ مولوی صاحب! آپ نے دیکھا یہ جو پوسٹر لگائے گئے ہیں! اسکے بعد ایسا ہوا کہ روزانہ بعد از نماز ظہر و عصر بہت سے لوگ ہمارے مشن ہاؤس میں آنا شروع ہو گئے اور جو بھی آتا سوالات شروع کر دیتا۔ ہم لوگوں کو تبلیغ حق پہنچاتے رہے۔ لٹریچر تقسیم کرتے رہے۔ یہ واقعہ اندازاً اکتوبر 8919ء میں وقوع میں آیا۔ شروع میں روزانہ 15-10 لوگ آتے تھے۔ بعد میں زیادہ ہوتے گئے۔ لیکن لوگ واپس جا کر اپنے علماء سے ہمارے بارہ میں سوالات کرتے رہے۔ علماء کرام نے لوگوں کو منع کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ لوگوں کا آنا کم ہو گیا۔ مولوی صاحبان ہمارے خلاف کفر کے فتوے لگاتے رہے کہ قادیانی کافر ہیں۔ آہستہ آہستہ حالات میں ٹھہراؤ آ گیا۔

23 مارچ 1989ء کو جماعت احمدیہ کی صد سالہ جوبلی ہم نے اپنی توفیق کے مطابق شاندار طریق پر منائی۔ حالات ساز گار نہیں تھے۔ ورنہ ہم چاہتے تھے کہ شہر کے کسی بڑے ہال میں جلسہ کرتے۔ بالآخر ہمارے مشن ہاؤس میں ہی جلسہ کا اعلان ہوا۔ یعنی 23 مارچ کو بعد دو پہر شہر کے بہت سے معززین اور زیر تبلیغ دوستوں کو آنے کی دعوت دی۔ ڈھاکہ سے خاص دعوت نامہ کے کارڈز چھپوائے گئے تھے چنانچہ تمام بڑی جماعتوں میں یہ جلسے منعقد ہو نے تھے۔ ہماری دعوت پر 70-60 غیر از جماعت بھی آئے۔

میں نے تقریر کی پھر بعض دوستوں کو کچھ کہنے کیلئے بلایا۔ بعض دوستوں نے جماعت کے سو سال پورے ہونے پر مبارک باد دی۔ سب دوستوں کو جماعتی کتب کا سیٹ عمدہ پیکٹ کی صورت میں پیش کیا گیا۔ ہماری چھوٹی سی جماعت، تھوڑے سے احمدی۔ جہاں تک ممکن تھا سب نے بہت محنت کی۔ خاکسار نے اس موقع کیلئے ''قرآن و حدیث کی رو سے صداقت مسیح موعودؑ'' کے عنوان پر ایک مضمون تیار کر کے مرکز کی اجازت سے کتابچہ کی شکل میں شائع کیا تھا۔ اخراجات مقامی جماعت نے برداشت کئے۔ احباب جماعت تقسیم بھی کرتے رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں نمونۃً چند کاپیاں ارسال کیں۔ حضورؒ نے ہماری تمام کوششوں کو بہت سراہا۔ بہت دعائیں دیں۔ خاکسار ہمیشہ کام سے پہلے حضور کی خدمت میں دعا کیلئے لکھتا ہے۔ کام مکمل ہونے پر رپورٹ بھی بھجواتا رہا۔ حضرت خلیفۃ المسیح کے اکثر خطوط محفوظ ہیں۔ حضرت خلیفۃ

المسیح الرابعؒ 1984ء میں لندن جانے کے بعد عموماً ہمارے مربیان کے اکثر خطوط کے جوابی خطوں پر اپنے مبارک قلم سے دستخط فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم نے منظم طور پر تبلیغی کوششیں مسلسل جاری رکھیں۔ سب انصار خدام کو کہا کہ وہ تبلیغی نوٹ بک رکھیں۔ نوٹ بک مسجد میں ہی رہے۔ جمعہ کے روز ہر شخص مسجد میں آکر نوٹ بک پر نوٹ کریں کہ کیا تبلیغی کوششیں کی ہیں۔ کتنے نئے اور کتنے پرانے دوستوں سے تبلیغی ملاقات کی ہے۔ خاکسار ان کی نوٹ بک دیکھ کر اُس پر نوٹ لکھتا تھا کہ اَور کیا کیا کوششیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً مجھے یاد ہے کہ جس نے لکھا کہ اس نے کسی ایک کو بھی تبلیغ نہیں کی ان کی نوٹ بُک پر لکھتا کہ آپ بعد مغرب یا کسی فارغ وقت پر استغفار کریں، باہر پیدل چلتے چلتے استغفار کریں اور دعا کریں کہ یا اللہ! میں بہت نالائق ہوں۔ مجھے یہ توفیق نہیں کہ کسی کو تبلیغ کر سکوں۔ یا اللہ! تو مجھے توفیق دے۔ کوئی صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ میں بآسانی کسی دوست کو یا بعض دوستوں کو تبلیغی باتیں یا احمدیت کا پیغام سنا سکوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اکثر دوست تبلیغی نوٹ بُک پر اپنی اپنی مساعی نوٹ کرتے رہے۔

خاکسار مقامی اخبارات کے دفتروں میں رات کو جا جا کر بیٹھ کر باتیں کرتا رہا۔ اس کام میں مجھے بڑا لطف آتا تھا۔ دیکھا کہ اخبارات کے ساتھ منسلک لوگ اکثر بات کرنے کے لئے وقت دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ "جاؤ آپ سے ہم بات نہیں کرتے"۔ دفتر میں جاتے ہی شروع ہو جاتے "آپ تو حضرت محمدؐ کو آخری نبی نہیں مانتے"۔ ہمارے ہاتھوں میں لٹریچر ہوتا تھا۔ ہم ان کو بہت نرمی سے عرض کرتے تھے کہ بھائی! براہ کرم آپ ہمارا

لٹریچر پڑھیں۔ اگر آپ پسند کریں تو کتابیں بھی دیں گے اگر آپ پڑھیں۔ میرا طریق یہ تھا کہ میں کہتا کہ بھائی! اگر آپ پڑھیں گے تو کتابچہ رکھ لیں ورنہ اگر آپ پڑھنا ہی نہیں چاہتے تو ہماری کتابیں نہ لیں۔ اس میں قرآن و حدیث کی باتیں ہیں چنانچہ شروع میں وہ کہتے کہ ہم تو کتابیں نہیں پڑھیں گے مگر آخر میں وہ کہتے اچھا ایک دو کتابچے دے جائیں ہم پڑھیں گے۔

واقفیت کے بعد دوسری دفعہ جا کر کہتے تھے کہ بھائی ہم آپ کے اخبار میں کچھ شائع کرنا چاہتے ہیں۔ وہ شروع ہو جاتے تھے کہ آپ کے خلاف تو یہ فتوے ہیں۔ وہ تو کوئی مضمون شائع کرنے پر راضی نہیں ہوتے تھے۔ پھر ہم کہتے تھے کہ ٹھیک ہے تو ہماری خبریں شائع کریں۔ آخر میں راضی ہو جاتے کہ ہماری چھوٹی چھوٹی خبریں شائع کریں گے اور بعض خبریں شائع کرتے رہے۔

کُھلنا کے زمانہ میں کُھلنا کے ساتھ کے اضلاع میں دورے پر جاتا رہا اور بہت سی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔

رگھوناتھ پورباغ (Raghunath pŪrBāg) تحصیل جھیکر گاچھہ ضلع جَسّور میں نئی جماعت کا قیام

اس گاؤں کے دو نوجوان محمد جلال اور ایوب علی احمدی ہو گئے تھے۔ یہاں پر ایک صاحب مولوی شاہ عالم بہت بااثر شخصیت کے مالک تھے۔ ان کو کسی نے بتایا کہ آپ

کے گاؤں کے دو نوجوان تو قادیانی ہو گئے ہیں۔ اُن کو روکنا چاہئے۔ شاہ عالم صاحب نے اُن دونوں کو بلایا اور پوچھا کہ کیا بات ہے۔ ان دونوں نے مختصراً احمدیت کی بات بتادی۔ موصوف نے پوچھا کہ تمہارا مرکز یا بڑے مولانا کہاں ہوتے ہیں۔ اُن دونوں نے موصوف کو ہماری جماعت کُھلنا اور ڈھاکہ کے مرکز کے مشن ہاؤس کا پتہ بتایا۔

مولوی شاہ عالم صاحب کُھلنا میں آئے۔ میرے ساتھ ملاقات ہوئی۔ ایک رات رہے۔ تفصیلی گفتگو ہوئی اور بیعت کرنے پر تیار ہو گئے۔ مَیں نے کہا کہ آج کتابیں لے جائیں، پڑھیں، غور کریں پھر بیعت کریں۔ موصوف نے کہا کہ مَیں تو مصروف رہتا ہوں۔ ایک مدرسہ میں پڑھاتا ہوں، ایک اَور مدرسہ کا نگران بھی ہوں۔ پتہ نہیں کہ دوبارہ کب آنے کا موقعہ ملے۔ آپ آج ہی بیعت لے لیں۔ ورنہ اگر بیعت سے پہلے موت آگئی تو آپ ذمہ دار ہوں گے۔ چنانچہ اُن کی بیعت لے لی گئی۔ 14 اگست 1989ء کو بیعت کر کے وہ واپس گاؤں تشریف لے گئے۔

مَیں نے جب اُنہیں ہوشیار کرنے کی کوشش کی کہ مخالفت ہو گی تو شاہ عالم صاحب مسکرا کر کہنے لگے کہ آپ کو لے کر مَیں اپنے گاؤں جاؤں گا، آپ دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے۔

شاہ عالم صاحب بہت نڈر اور بہادر انسان تھے۔ بہت دیانت دار اور نافع الناس وجود تھے۔ سارے علاقہ میں کسی کو کوئی مشکل پیش آتی تو وہ موصوف کے پاس آجاتا کہ میرا مسئلہ حل کریں۔ کوئی صاحب جو قومی اسمبلی کے انتخاب میں کھڑے ہوتے وہ شاہ عالم صاحب کے گھر آکر ان کی تائید اور حمایت مانگتے۔

بہت دفعہ مجھے شاہ عالم صاحب کے گھر جانے کا موقعہ ملا، اُن کو ساتھ لے کر پہلے اُن کے گاؤں میں اور پھر بعد میں ارد گرد کے گاؤں میں، گھر گھر جا کر تبلیغ کرنے کا موقعہ بھی ملا۔

کامیاب طریق یہ تھا کہ مغرب کے بعد گھروں میں ہم بیٹھ کر تبلیغی گفتگو کرتے تھے۔ پردہ کے پیچھے عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ عورتیں جلدی متاثر ہوتی تھیں۔ ہر دورے کے دوران ارد گرد کے گاؤں میں چند بیعتیں ہوتی تھیں۔

1991ء کے آخر پر میرا تقرر چٹاگنگ شہر میں ہو جانے کی وجہ سے مَیں چٹاگنگ چلا گیا۔ لیکن ادھر شاہ عالم صاحب نے اپنی زمین جماعت کے نام رجسٹری کر دی اور اُس زمین پر ایک مسجد بھی بنالی۔ مسجد کی تعمیر میں جماعت نے مدد کی۔ انہوں نے مجھے اپنا بھائی بنالیا تھا اور بھائی کہا کرتے تھے۔

غالباً 1996ء یا 1997ء میں مرکز کی ہدایت پر شاہ عالم صاحب کے گاؤں میں دو ہفتہ کے لئے دورہ پر جانے کا موقعہ ملا تھا۔ اور بہت سے دیہات میں تبلیغی دورہ کیا۔ اُن دوروں کی وجہ سے دو سو سے زیادہ بیعتیں ہوئیں تھیں۔ فالحمد للہ!۔

خدا تعالیٰ کی تقدیر نے یہ نشان دکھایا کہ 31 اکتوبر 2003ء 8 رمضان المبارک، بروز جمعہ بعد از نماز عصر روزہ کی حالت میں پیارے بھائی شاہ عالم صاحب کو مخالفین نے مار مار کر شہید کر دیا۔ ان کے گھر پر کئی سو حملہ آوروں نے حملہ کر دیا۔ شاہ عالم صاحب نے اُن کو بٹھا کر تسلی کے ساتھ بات کرنے کی کوشش کی اور نرمی سے باتیں کرتے رہے لیکن حملہ آوروں کی نیت خراب تھی۔ اور اُنہوں نے شاہ عالم صاحب کی کوئی بات نہ سنی اور

لاٹھی کے ساتھ مارنا شروع کیا۔ ایک نے اُن کے سر پر اتنی شدید ضرب لگائی کہ وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ لاٹھی سے حملہ آوروں نے اتنا مارا کہ لہولہان ہو گئے۔ اُن کو ہسپتال لے جانے کی کوشش کی گئی لیکن مخالفین نے راستہ روکے رکھا۔ اُن کے گاؤں سے ہسپتال کافی دور تھا۔ بعد میں جب انہیں ہسپتال لے جانے کی کوشش کی گئی تو بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے شاہ عالم صاحب راستہ میں ہی جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

موصوف بہت بہادر اور نڈر شخص تھے۔ شہادت کے واقعہ کے دوران آپ اپنے گھر میں تھے اور اپنے اقارب کے درمیان ہی تھے۔ غالباً آپ حملہ آوروں کی نیت کو بھانپ نہ سکے ورنہ اگر چاہتے تو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ مل کر حملہ آوروں پر حملہ کرتے تو وہ بھاگ جاتے۔ یہ احمدیت کی ہی شان تھی کہ شروع شروع میں مَیں نے دیکھا تھا کہ شاہ عالم صاحب کے سامنے لوگ اونچی آواز سے بات کرنے کی ہمت نہیں کرتے تھے۔ اور شہادت کے موقعہ پر حملہ آور اُن کو مار رہے تھے اور وہ تسلی اور نرمی کے ساتھ اُن کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ نرمی ڈر کی وجہ سے نہ تھی بلکہ احمدیت کے رنگ میں آپ رنگین ہو چکے تھے۔

دشمن کو ظلم کی برچھی سے تم سینہ و دل برمانے دو
یہ درد رہے گا بن کے دوا تم صبر کرو وقت آنے دو

پیارے بھائی شاہ عالم صاحب کو ایک اور سعادت یہ ملی کہ عہدِ خلافتِ خامسہ کے وہ پہلے شہید تھے۔ آپ کے بارہ میں روزنامہ الفضل ربوہ کے شمارہ 27 جنوری 2004ء، صفحہ 5 پر خاکسار کا مضمون شائع شدہ ہے۔

کُھلنا میں مخالفت میں شدت

مولویوں نے ہمارے خلاف اعلانات شروع کر دیے کہ فلاں فلاں تاریخ کو شہر کے فلاں فلاں مقامات پر ہمارے خلاف جلسہ کریں گے۔اور آخر میں 11 جنوری 1990ء کو ہمارے مشن ہاؤس سے قریباً ڈیڑھ میل دور ایک چوک Maila pota میں جلسہ کریں گے۔ یہاں سے سب لوگ اکٹھے ہو کر ہمارے مشن ہاؤس پر حملہ کر کے بالکل ملیامیٹ کر دیں گے، ہر طرح تیاری شروع ہو گئی۔ ہم نے بھی اپنے طور پر کچھ حفاظتی اقدامات کیئے۔

مقررہ تاریخ پر بعد دوپہر Maila pota جس کا نام بعد میں Shugandha ہو گیا چوک پر جلسہ شروع ہوا۔ جلسہ کے بعد مخالفین نے حملہ آور ہونا تھا۔

اس جلسہ میں تمام مدرسوں کے مولویوں نے تقریریں شروع کیں۔ تقریروں کے دوران ہی فرقے ایک دوسرے کے خلاف بولنا شروع ہو گئے۔ ہمارے خلاف بھی تقریریں ہوئیں۔ مولویوں کے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف تقریریں کرنے کی وجہ سے صورتحال مکدّر ہو گئی۔ آخر میں صاحب صدر جلسہ نے تقریر شروع کی اس کے بعد سب نے ہماری طرف آنا تھا۔ صاحب صدر نے ہمارے خلاف تقریر تو کی مگر آخر

میں کہا کہ ہمیں اتنا زیادہ مشتعل نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمیں خوب معلوم ہے یہاں بہت ہی تھوڑے قادیانی ہیں۔ یہ تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ ہم اتنی بڑی تعداد ان پر حملہ کرنے جا رہے ہیں۔ یہ تو مناسب نہیں۔ ہم ان کو اَور موقع دینا چاہتے ہیں۔ اگر آئندہ بھی قادیانی لوگ لٹریچر وغیرہ تقسیم کرنا بند نہ کریں تو پھر ہم ضرور کچھ کریں گے۔

فی الحقیقت ہماری تعداد بہت ہی تھوڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بہت فضل فرمایااور ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح کی دعائیں تھیں جس کے نتیجہ میں انہوں نے حملہ نہیں کیا۔

مسجد میں آگ لگانے کی کوشش

جماعت کے مخالفین ہماری مسجد پر حملہ کرنے والے تھے لیکن بالآخر حملہ نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے زعم میں ہمیں موقعہ دینا چاہتے تھے کہ آیا ہم تبلیغ بند کرتے ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد کچھ مہینے مخالفین کی طرف سے خاموشی رہی۔ ہمارے ایک احمدی دوست ذکیر حسین صاحب نے مجھے بتایا کہ کُھلنا شہر کے سب سے بڑے مدرسہ 'مدرسہ عالیہ' کے طلباء نے منصوبہ بنایا ہے کہ یعنی اس خاکسار 'قادیانی مولوی' کو قتل کریں گے۔ میَں نے اِس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ لیکن ہمارے صدر صاحب جماعت نے مشورہ دیا کہ اُس علاقہ کے ایک بااَثر سیاسی لیڈر سے ملاقات کروں۔ چنانچہ خاکسار نے اُن سے ملاقات کی۔ موصوف بہت سال پہلے احمدی بھی ہونا چاہتے تھے ۔ جب مَیں نے ان سے ملاقات کی تو وہ مجھ سے اس طرح گفتگو کر رہے تھے جیسے

بہت مخلص احمدی ہیں۔ احمدیت کے بارہ میں اُن کو معلومات بھی تھیں۔ پوچھنے لگے کہ ربوہ کا کیا حال ہے۔ ہمارے حضرت صاحب کا کیا حال ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مَیں نے اپنا مقصد بیان کیا۔ وہ کہنے لگے کہ آج کل کے نوجوان غُنڈے اور بدمعاش ہیں۔ نشہ خور ہیں۔ اُن کو نشے کے لئے روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لوگ اُن کو روپیہ دے کر اپنے مقاصد پورا کرنے کے لئے ناجائز کام کروالیتے ہیں۔ آپ ایسا کریں کہ چند دن میرے ساتھ رکشے پر بیٹھیں۔ فلاں وقت مَیں اپنے کام سے شہر جاتا ہوں۔ چند دن میرے ساتھ بیٹھیں تا کہ وہ لڑکے دیکھ لیں کہ میرے ساتھ آپ کا تعلق ہے۔ اُمید ہے کہ اس کے بعد آپ کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ چنانچہ چند دن اُن کے ساتھ سیر کرتا رہا۔

ایک روز ایسا ہوا کہ شام کو ایک نوجوان ہماری مسجد میں آیا۔ اس نے کہا کہ وہ مجھ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے خدام راضی نہیں ہو رہے تھے۔ مَیں نے کہا کہ کوئی بات نہیں مَیں الگ بات کروں گا۔ مسجد کے سامنے کافی جگہ خالی تھی۔ مَیں اُسے ایک کونے میں لے گیا تا کہ وہ علیحدگی میں بات کر سکے۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کی جماعت پر حملہ ہونے والا ہے۔ آپ اپنی حفاظت کی کیا تدبیر کر رہے ہیں۔ مَیں نے اُسے بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہے جو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ وہ بہت حیران بھی ہوا اور متاثر بھی۔ کہنے لگا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ مَیں جا کر اپنے نوجوانوں کو کہوں کہ وہ حملہ نہ کریں۔ لیکن پھر وہ مجھے ماریں گے۔ کہنے لگا کہ ہم غُنڈہ پارٹی ہیں، روپیہ لے کر کام کرتے ہیں۔ آپ اگر زیادہ روپے دیں تو پھر ہم آپ کے حق میں کام کریں گے۔ مَیں نے کہا کہ ہم

کوئی روپیہ نہیں دے سکتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت کرتا ہے اور آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ وہ کہنے لگا کہ اس وقت بھی میرے پاس پستول (revolver) ہے۔ اور ہر وقت میرے ساتھ ہوتا ہے۔ آخر پر کہنے لگا کہ مَیں خود تو حملہ کرنے نہیں آؤں گا، کسی بہانے سے ڈھاکہ چلا جاؤں گا۔ مگر مَیں آپ کے حق میں کچھ کر نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے مَیں ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوا۔ خدا کے فضل سے مخالفین سے مَیں کبھی خوفزدہ نہیں ہوا۔

اِس کے بعد کیا ہوا۔ سنئے! 17 رمضان المبارک 03 اپریل 1991ء کی رات کو تقریباً 11 بجے مؤذن صاحب کا بیٹا نورالزمان بہت زور زور سے چلاّنے لگا کہ آگ لگائی گئی ہے!!! جلدی دوڑ کر آؤ۔ ہم سب نیند سے بیدار ہو گئے اور جلدی سے مسجد کی طرف دوڑے۔ جب میں گھر سے نکلا تو دیکھا کہ کچھ لوگ ہمارے گھر کی دیوار پر پٹرول (Petrol) چھڑک رہے ہیں۔ میری بیوی میرے پیچھے آرہی تھی اس پر بھی کچھ پٹرول گرا۔ جب ہم مسجد کی طرف گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو گاڑیوں کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ لیکن آگ تیز نہیں ہو رہی تھی بلکہ آہستہ آہستہ بجھ گئی۔ ڈرائیور قریب ہی رہتے تھے۔ وہ جلدی سے آئے اور گاڑیوں کو پیچھے کیا۔ اور محفوظ مقام پر لے گئے۔ تخریب کار دیوار پھاند کر اندر آئے تھے مگر شور سن کر جلد بھاگ گئے تھے۔

جنرل سیکرٹری صاحب نے پولیس کو فون کیا۔ پولیس نے آکر دیکھا کہ کوئی خاص بات نہیں۔ آگ بھی بجھ گئی ہے۔ ممتاز الدین صاحب کے بیٹے نورالزمان کی والدہ مسجد سے باہر اپنے گھر سے بیٹے کی آواز سن کر دوڑی آئی تھیں۔ چند لمحوں بعد اُنہوں نے دیکھا

کہ دو تین نوجوان اُن کے گھر کو دیاسلائی کے ذریعہ سے آگ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے گھر کی طرف بھاگ کر گئیں۔ اس بہن کی چیخ وپکار سے وہ لڑکے بھاگ گئے۔ اُن کا گھر گول پتوں سے بنا ہوا تھا۔ سُندر بان کے جنگل میں بہت زیادہ گول پتے ملتے ہیں جن سے اُس علاقہ کے غریب لوگ گھر بناتے ہیں۔ یہ پتے کھجور کے پتوں کی نسبت بہت بڑے ہوتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم سب نے اچھی طرح غور سے ہر چیز کا جائزہ لیا تو جو باتیں سامنے آئیں وہ یہ تھیں کہ شرّپسندوں نے گاڑیوں کے نیچے کپڑوں پر پٹرول ڈال کر آگ لگائی اور ایسا کیا کہ گاڑیوں کے نیچے بھی اور اُوپر بھی اچھی طرح پٹرول چھڑکا۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ دونوں گاڑیوں کو آگ لگنے کی وجہ سے بہت بڑا دھماکہ ہو۔ جس سے ہم ڈر کے مارے بھاگ جائیں یا ہمیں بہت زیادہ نقصان ہو۔

ہماری مسجد کیا تھی؟ ایک ٹین شیڈ سکول کی طرح گھر تھا۔ اسی میں ہم نمازیں پڑھتے۔ جماعت کے عہدیداران اپنے اپنے دفاتر کے کام بھی اسی میں کرتے تھے۔ مہمان آتے تو اسی میں رہتے تھے۔ اس گھر کی دیواریں لکڑیوں کی تھیں۔ پرانی سوکھی لکڑیاں جن سے پٹرول کی بدبو آرہی تھی۔ وہ آگ لگانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔

ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوا کہ اس نے آگ کو پھیلنے سے اور بھاری نقصان ہونے سے بچالیا۔ ورنہ یہ ناممکن تھا کہ آگ نہ لگے کیوں کہ کپڑوں پر پڑول ڈال کر آگ لگائی گئی تھی، گاڑیوں کو پٹرول کے ساتھ نہلایا گیا تھا۔ اس کے باوجود آگ نہیں لگی۔ مؤذن صاحب کی بیوی نے جب دو تین نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ اُن کے گھر کو

آگ لگانے کی کوشش کر رہے تھے، اُن سے دیاسلائی جل نہیں رہی تھی۔ مؤذن صاحب کی بیوی کی چیخ وپکار کی وجہ سے اُن کو بھاگنا پڑا اور وہ آگ لگانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسی طرح مسجد کی دیواریں جو لکڑی کی تھیں اُن پر بھی پٹرول ڈال کر آگ لگانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس میں بھی انہیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں مؤذن صاحب کے بیٹے کو جلدی جاگ آگئی، جس کی وجہ سے ہم جلدی آگئے اور موقعہ پر پہنچ گئے، جس کی وجہ سے مخالفین کو جلدی بھاگنا پڑا اور وہ زیادہ نقصان نہ کر سکے۔ ان تمام امور سے ہم پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ تمام چیزیں خدا تعالیٰ کے خاص فضل سے ممکن ہوئیں۔ ہم نے خدا کی ایسی تائید دیکھی کہ گویا خدا کو دیکھا، یعنی فرشتوں نے ہمیں بچایا۔ "آگ سے ہمیں مت ڈراؤ، آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے"

یہ تو تھی رات کی باتیں۔ باقی ساری رات ہم نے جاگ کر گزاری تھی۔ صبح اچانک ہمارے جنرل سیکرٹری شمس الرحمٰن صاحب نے دیکھا کہ ان کے صحن میں دو، تین چھوٹے چھوٹے bomb پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ مسجد کے صحن میں بھی چند bomb ملے۔ شریر غالباً bomb پھینکتے رہے تاکہ دھماکہ ہو اور ہم زخمی ہوں۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک بھی bomb زیادہ گھاس اور نرم مٹی کی وجہ سے نہیں پھٹا اور ہم محفوظ رہے۔ یہ بہت چھوٹے ہینڈ بم ہوتے ہیں جن سے کوئی مر بھی سکتا ہے۔

آگ نہ لگنے کا یہ کتنا بڑا نشان تھا جو ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور مخالفین بہت مایوس ہوئے۔ ہمارے صدر جماعت ایس ایم عبد العزیز صاحب کُھلنا شہر میں رہتے تھے۔ اُن کی اہلیہ تسلیمہ صاحبہ اپنی بچی کو سکول چھوڑنے جایا کرتی تھیں۔ اگلے روز جب

گئیں تو چند عورتوں کو آپس میں یہ باتیں کرتے ہوئے سنا کہ کل رات قادیانیوں کا ڈیرا یعنی اڈّا جلا کر ختم کر دیا گیا ہے۔ ہماری بہن تسلیمہ دل میں ہنس رہی تھیں کہ تمہیں کیا معلوم کہ آگ ہمیں نہیں جلاتی ، ہم تو مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے ماننے والے ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

شام کو لوگ آتے اور ہمارے احاطہ کے باہر سے چکر لگا کر واپس چلے جاتے۔ وہ گھور گھور کر دیکھ رہے تھے کہ ہماری مسجد اور ہمارے مقامات جیسے تھے ویسے ہی ہیں۔ کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہ حیران ہو رہے تھے قادیانیوں کے ڈیرے کو کچھ نہیں ہوا!!!۔ اُن کا آگ لگانا ناکام رہ گیا۔

بنگلہ دیش کے محترم نیشنل امیر صاحب نے فوراً روپے بھجوائے اور احکامات جاری کئے کہ فوری طور پر ہماری (Boundary Wall) باؤنڈری وال کے اُوپر کانٹے دار تار لگا دی جائے۔

ہماری مسجد کے احاطہ (Compound) کے ارد گرد پکی دیواریں تھیں مگر اُن کے اُوپر حفاظتی کانٹے دار تار نہیں تھی۔ چنانچہ جب تاریں لگوانے کی تیاری شروع ہوئی تو اُس تیاری کو دیکھ کر مخالفین نے بھانپ لیا کہ اب یہ لوگ کانٹے دار تاریں لگوائیں گے۔ اور اُنہیں معلوم تھا کہ ایک دفعہ تار لگ جانے کے بعد دیوار پھلانگ کر ہمارے

Compound کے اندر آنا اُن کے لئے مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ اُنہوں نے اُس سے پہلے ہی حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ہمارے ارد گرد کوئی احمدی تو نہیں رہتے تھے لیکن خدا کے فضل سے ایسے کچھ اچھے غیر احمدی رہتے تھے کہ وہ گاہے گاہے مخالفین کے منصوبوں کے بارہ میں ہمیں آگاہ کرتے رہتے تھے۔

ہم نے مرکز کو اس کی اطلاع دی۔ پولیس کو بھی بتایا۔ لیکن پولیس افسر کہنے لگے کہ "آپ لوگ خوانخواہ ہمیں پریشان کرتے ہیں۔ کوئی بات تو ہمیں ملتی نہیں۔ آپ نے اُس روز ہمیں فون کیا کہ آگ لگائی گئی ہے۔ ہم گئے تو پتہ چلا کہ کوئی بات نہیں تھی۔ کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا۔" ہم نے تمام احمدی احباب کو کہا کہ دعا کریں کیونکہ بظاہر بچاؤ کی کوئی اُمید نظر نہیں آرہی تھی۔ وقت بھی نہیں تھا کہ باہر سے خدام بلائیں۔ چنانچہ ہم سب دعاؤں میں لگ گئے۔

خدا کا نشان دیکھئے! آپ کو کہانی محسوس ہو سکتی ہے مجھے تو لکھتے وقت بھی شدّت جذبات سے رونا آرہا ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے خدا کا ایک اَور نشان دیکھا۔ عشاء کے بعد تیز بارش شروع ہو گئی اور رات بھر مسلسل تیز بارش ہوتی رہی۔ بارش اتنی شدید تھی کہ ہمارے Compound کے باہر کا علاقہ پانی میں ڈوب گیا۔ اتنی بارش شاید ہم میں سے کسی نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ صبح دھوپ نکلی اور تار لگانے والے آگئے اور شام تک دیواروں پر کانٹے دار تاریں لگوائی جاچکی تھیں۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

جماعت کُھلنا میں مسجد رحمان کی تعمیر

مخالفین نے 11 جنوری 1990ء کو کُھلنا جماعت کے مرکز پر حملہ کرنا تھا۔ شہر کے تمام مولوی ہزاروں ہزار لوگوں کو ساتھ لے کر حملہ کرنے والے تھے۔ بالآخر اس روز حملہ نہ کرنے کا اعلان کر دیا گیا اور احمدیوں کو موقعہ دیا کہ احمدی تبلیغ بند کرتے ہیں کہ نہیں۔ اگر احمدی تبلیغ بند کر دیں تو حملہ نہیں کریں گے۔

اس کے بعد خاکسار اور احباب جماعت سوچنے لگے کہ ہماری مسجد اور مرکز کی حفاظت کے لئے کیا کیا جائے۔ خاکسار نے تجویز دی کہ ہم احمدیہ ہوسٹل قائم کریں اور ارد گرد کی احمدی جماعتوں میں اعلان کریں کہ وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے کُھلنا جماعت کے ہوسٹل میں بھجوائیں۔ میٹرک کے بعد کُھلنا میں آکر کالجوں میں داخلہ لیں۔ طلباء یہاں رہ کر کالج میں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں اور ہوسٹل میں صبح شام احمدیت کی تعلیم و تربیت حاصل کریں۔ ہماری جماعت کی طرف سے یہ تجویز محترم نیشنل امیر صاحب کی خدمت میں بھجوائی گئی۔

03 اپریل 1991ء کو آگ لگنے کا واقعہ ہوا۔ ہمارے برادرم خالد حجۃ الاسلام سعید صاحب فکر مند ہوگئے۔ ان کی گاڑیاں رکھنے والی جگہ محفوظ نہیں رہی تھی۔ اب وہ کاروبار چھوڑ کر امریکہ جانے والے تھے اس کے علاوہ اور بھی بعض وجوہات تھیں۔ مخالفت کی وجہ سے تجارت میں بھی مشکلات پیش آنے لگی تھیں۔

ہماری مسجد Complex کی زمین کے ساتھ برادرم سعید صاحب کی زمینیں تھیں۔ وہ زمینیں ایسی تھیں کہ برسات کے کئی مہینے بارش کے پانی میں ڈوبی رہتی تھیں جو کہ بہت کم قیمت پر خریدی گئی تھیں۔ اُس وقت تو وہاں آبادی بھی نہیں تھی بلکہ آبادی ہونے کا کوئی امکان بھی نظر نہیں آتا تھا اور مسجد کے قریب احمدیوں کا کوئی مکان نہیں تھا۔ ہم نے مشورہ کیا اور سب نے لبیک کہا کہ سعید صاحب کی زمین سَستی قیمت پر احمدی دوست خرید لیں۔ سندربان وغیرہ کے آسودہ حال لوگ یہاں زمین خریدیں اور مکان بنائیں تاکہ آبادی ہو اور رونق بڑھے اور مسجد کی حفاظت بھی ہو۔

رمضان المبارک 03 اپریل کو آگ لگنے کے واقعہ کے بعد اب ہم بہت دعا کر رہے تھے کہ کیا کِیا جائے۔ رمضان المبارک کے آخری ایام میں میرے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ ہمیں باقاعدہ مسجد تعمیر کرنی ہوگی۔ پھر احمدیہ ہوسٹل کے لئے جس گھر کی ضرورت ہے وہ بھی پوری ہو جائے گی۔ اس وقت ہم جس گھر کو بطور مسجد استعمال کر رہے تھے وہ سکول گھر کی طرح ٹین شیڈ کا ایک مکان تھا جس کو ہم مسجد کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ اگر ہم باقاعدہ مسجد تعمیر کریں تو یہ گھر ہوسٹل کے طلباء کے لئے استعمال ہو سکے گا۔ یہ بات جو میرے دل میں آئی تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میَں دعا کرتا رہا اور کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ ہماری مسجد کے لئے کافی زمین یہاں پر موجود تھی۔

عید الفطر بہت قریب تھی۔ میَں نے بہت دعا کی۔ دل میں جوش پیدا ہو گیا اور میَں نے عید کے روز عید الفطر کے خطبہ میں نئی مسجد تعمیر کرنے کا منصوبہ پیش کیا۔ مَیں اپنی جماعت کے اخلاص پر بہت حیران ہوا۔ عید کے بعد فوری طور پر تمام دوستوں

نے بیٹھ کر منصوبہ بنالیا کہ ہم سب غریب لوگ ہیں۔ دو ماہ بعد جو عید الاضحیٰ آئے گی اُس میں ملازمت پیشہ احباب کو عید بونس (Eid Bonus) ملیں گے اور ہم سب وہ روپے مسجد فنڈ میں دینے کا وعدہ کرتے ہیں اور جن کے پاس اس سے زیادہ توفیق ہوئی وہ زیادہ دیں گے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اسی دن پچیس ہزار روپوں (TK-/25,000) کے وعدے لکھوائے گئے تھے۔

مشورہ کے مطابق محترم نیشنل امیر صاحب کی خدمت میں منظوری کے لئے درخواست کی گئی۔ خاکسار نے حضور انور کی خدمت میں بھی دعا کے لئے لکھا۔ اس میں خاص بات یہ تھی کہ ہم کسی دولت مند اور امیر آدمی کو نہیں لکھیں گے کہ آپ اتنے روپے دیں تو ہم مسجد کی تعمیر شروع کریں گے۔ بلکہ جو روپیہ اکٹھا ہو گا اسی کو لے کر تعمیر کا کام شروع کریں گے۔

احبابِ جماعت نے نہایت خوشی سے یہ منصوبہ بنایا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ خدا کو ہمارا یہ فعل پسند آیا ہو گا۔ اب دیکھئے خدا تعالیٰ نے کیا نشان دکھایا۔

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ہم نے مقررہ تاریخ پر تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ مخالفین کو پتہ چل گیا اور کُھلنا شہر کے ادارہ K.D.A.(Khulna Development Authority) کو شکایت کر دی کہ یہ لوگ بغیر اجازت کے تعمیرات کر رہے ہیں۔ K.D.A. کی طرف سے نوٹس آگیا کہ ہم نے تعمیرات کا کام کیوں شروع کیا؟

مکرم ایس ایم عبد العزیز صاحب ، صدر صاحب جماعت اور خاکسار نے K.D.A. کے ایک جونیئر افسر کے گھر جا کر ملاقات کی اور حالات بیان کئے۔ معاملہ یہ

تھا کہ پکی عمارت کے لئے پلان (Plan) پاس کروانا ضروری ہوتا ہے۔ ہم تو معمولی گھر بنارہے تھے۔ معلوم نہیں کہ کہاں تک اینٹ، سیمنٹ کا استعمال ہو گا۔ یہ افسر محترم صدر صاحب کے واقف تھے۔ کہنے لگے:۔ ’’آپ فوراً منظوری کیلئےplan جمع کروا دیں اور جلدی کام شروع کر دیں اور تعمیرات کسی حد تک مکمل کرلیں اور نمازیں شروع کر دیں۔ بنگلہ دیش ایک مسلمان ملک ہے۔ جہاں مسجد بن رہی ہو اور نمازیں ہو رہی ہوں اُس جگہ کو کوئی گرانے نہیں آئے گا‘‘۔

ہم نے محترم نیشنل امیر صاحب سے درخواست کی کہ یہ صورت حال ہے اور فوری طور پر کام شروع کرنا ضروری ہے۔ ورنہ مشکل پیدا ہو سکتی ہے۔ ہم آہستہ آہستہ روپے واپس کر دیں گے۔ محترم امیر صاحب نے ہر طرح سے تعاون فرمایا اور کئی طرف سے روپے آتے رہے۔ احباب جماعت روپے بھجواتے رہے۔ محترم نیشنل امیر صاحب کی طرف سے چھت کیلئے ٹین مل گیا تھا۔ بہت جلد مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اس مسجد کا نام مسجد بیت الرحمٰن تجویز فرمایا۔ مسجد کی دیواریں، ستون، فرش پکے اوراوپر ٹین کی چھت۔ خدا تعالیٰ کا غیر معمولی فضل ہوا کہ اَور کوئی مشکل پیدا نہیں ہوئی۔ الحمدللہ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی ہماری مسجد کے لئے پانچ سو پاؤنڈز محترم نیشنل امیرصاحب کی معرفت بھجوا چکے تھے۔ اور خاکسار کے لئے پچیس پاؤنڈز بطور تحفہ براہ راست مجھے بھجوائے تھے۔

جلسہ سالانہ یوکے 1991ء میں شمولیت

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسجد کی تعمیر کا کام چل ہی رہا تھا کہ میرا جلسہ سالانہ یوکے پر جانے کا موقعہ پیدا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا فضل فرمایا کہ جلسہ سالانہ یوکے میں شامل ہونے اور حضورؒ سے ملاقات کا موقع عطا فرمایا۔

جلسہ سالانہ یوکے کے بعد ابھی خاکسار لندن میں ہی تھا کہ ہماری کھُلنا کی مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ جماعت کی طرف سے مجھے نئی مسجد کی تصویر بھجوائی گئی اور مَیں نے حضور انور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں پیش کی۔ حضورؒ نے بہت دعا دی۔

کھُلنا میں 1988ء سے 1991ء تک مسلسل ہنگامے اور مخالفت اور مخالفین کے حملے رہے۔ میری صحت بہت خراب ہوگئی تھی۔ جلسہ کے بعد حضور انور نے از راہِ شفقت فرمایا کہ کچھ دن اَور یہاں لندن میں ٹھہر جائیں۔ چنانچہ خاکسار جلسہ سالانہ کے بعد سلام آباد میں اور اس کے بعد مسجد فضل لندن کے قریب کے گیسٹ ہاؤس نمبر 53 میں رہتا رہا۔

لندن میں میری کتاب 'صداقت مسیح موعودؑ از روئے قرآن وحدیث' کی اشاعت

جلسہ سالانہ کے بعد جب مَیں اسلام آباد میں ٹھہرا تو خاکسار نے حضورؒ سے اجازت چاہی کہ بنگلہ دیش میں میری ایک کتاب چھپنے کے لئے تیار ہے۔ یہ کتاب بنگلہ

زبان میں 'صداقتِ مسیح موعودؑ از روئے قرآن وحدیث'۔ حضورؒ اگر اجازت دیں تو یہاں لندن سے شائع ہو سکتی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ کتاب چھاپنے کے قابل ہے یہ اجازت تو سیکرٹری اشاعت اور نیشنل امیر صاحب دیں گے۔ وکیل التبشیر لندن محترم ہادی علی چوہدری صاحب نے محترم امیر صاحب بنگلہ دیش کو اس سلسلہ میں لکھا۔ مکرم مقبول احمد خان مرحوم سیکرٹری اشاعت و نائب امیر بنگلہ دیش کو میری تحریر پسند تھی۔ انہوں نے سفارش کر دی اور محترم امیر صاحب نے لکھ دیا کہ اشاعت کے قابل ہے۔ رقیم پریس اسلام آباد سے چھاپ کر شائع ہونے کی اجازت حضور نے دے دی۔

مجھے ٹائپنگ کرنا یا کمپیوٹر چلانا نہیں آتا تھا۔ رقیم پریس کے انچارج مکرم صفدر حسین عباسی صاحب میری بڑی مدد کرتے رہے۔ انہوں نے مجھے اس حد تک کمپیوٹر سکھا دیا کہ مَیں کیسے بنگلہ حروف دیکھ دیکھ کر ٹائپ کرتا جاؤں۔ جب ایک صفحہ ہو جاتا عباسی صاحب آکر صفحہ بدل دیتے۔ چنانچہ اس طرح ٹائپنگ مکمل ہو گئی۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے میری یہ کتاب چھپنے کے لئے تیار ہو گئی۔ لندن سے میری واپسی کے بعد 1991ء کے آخر میں یہ کتاب رقیم پریس سے شائع ہوئی۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

بنگلہ دیش واپسی

خاکسار اکتوبر 1991ء کو ڈھاکہ واپس آیا۔ محترم نیشنل امیر صاحب مجھے کُھلنا جماعت سے تبدیل کرکے چٹاگنگ میں جانے کا حکم پہلے ہی دے چکے تھے۔ میرے بچے

سکولوں میں پڑھ رہے تھے۔ بچوں کے سالانہ امتحانات ہونے والے تھے۔ چنانچہ خاکسار نے دسمبر 1991ء کے آخر تک کُھلنا سے چٹاگنگ جانے کی اجازت حاصل کی۔

کُھلنا جماعت میں خاکسار نے 18 نومبر 1988ء سے لے کر 31 دسمبر 1991ء تک تین سال گذارے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی کامیابیاں عطا کیں۔ مخالفت کا سامنا کیا۔ لیکن تبلیغ کبھی بند نہیں ہوئی۔ کُھلنا ضلع کے علاوہ اردگرد کے اضلاع میں جیسے شات کھیرا (Satkhira) باگیرہاٹ (Bagirhat) جیشور (Jessore) کُشٹیہ (Kushtia) اور دوسرے دیہات میں بھی جماعتی دوروں پر جاتا رہا۔ جہاں ایک گھر یا دو گھر احمدی تھے وہاں بھی جاتا رہا۔ دوچار بیعتیں ہوئی تھیں۔

خدا کے فضل سے خدام کو خوب تیار کیا تھا۔ تبلیغی نوٹس لکھوایا کرتا تھا۔ اور وہ کسی بھی حالات کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ میرے واپس آنے کے بعد بھی مخالفت ہوتی رہی اور جماعت مقابلہ کرتی رہی۔

مجلس خدا الاحمدیہ کے نیشنل اجتماع میں ہمارے خدام اکثر انعامات لیتے تھے۔ بعض تو شہید ہو گئے اور بعض مختلف مقامات پر جماعتی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اُس زمانہ میں کُھلنا میں مجلس خدام الاحمدیہ کے معتمد تھے مکرم این اے شمیم صاحب جو 1992ء جلسہ سالانہ یوکے پر گئے اور بعد میں بیلجیم جا کر آباد ہو گئے۔ وہ خدام الاحمدیہ بیلجیم کے نیشنل صدر بھی رہ چکے ہیں۔ اب صدر انصار اللہ ہیں۔

خدام کو مضامین لکھنا بھی سکھائے تھے۔ مثلاً مکرم محب اللہ شہید کا مضمون اُن کے کالج کے رسالہ میں شائع ہوا۔ مکرم عبدالرزاق صاحب کا مضمون ان کے بینک کے

رسالہ میں شائع ہوا۔ مکرم عبد الرزاق صاحب شونالی (Sonali) بنک میں ملازم تھے۔ مکرم منصور احمد نذیر، مکرم حسیب احسن صاحب، مکرم احسن جمیل اور دوسرے خدام اپنی اپنی جگہ اچھی نوکریاں کر رہے ہیں۔ مکرم عبد الرزاق صاحب امیر جماعت بھی رہے ہیں۔ مکرم احسن جمیل صاحب کُھلنا میں نائب امیر ہیں۔ الحمد للہ۔

دسمبر کے آخر تک ہم کُھلنا چھوڑنے کی تیاری مکمل کر کے یکم جنوری 1992ء کو صبح صبح بَس پر بیٹھے اور شام کو ڈھاکہ پہنچ گئے۔ ہمارے گھر کا سامان سب ٹرک پر Load کر کے چٹاگنگ بھجوا دیا تھا۔ 2 جنوری صبح ٹرین پر بیٹھے اور بعد دوپہر چٹاگنگ پہنچ گئے۔ چٹاگنگ جماعت کے جنرل سیکرٹری مکرم نذیر احمد صاحب ہمیں ریلوے اسٹیشن سے اپنے گھر لے گئے۔ اُدھر ہی ہم نے کھانا کھایا۔ بعد میں شام کے وقت ہم چٹاگنگ کی مسجد یعنی مسجد کے ساتھ مربی کوارٹر میں پہنچ گئے۔ الحمد للہ۔

چٹاگنگ میں قیام

خاکسار بمع فیملی 2 جنوری 1992ء چٹاگنگ پہنچ گیا تھا۔ یہاں پر الگ کوئی مربی کوارٹر نہیں تھا۔ مسجد کے ساتھ شمال کی طرف ٹین شیڈ برآمدہ کی طرح کمرے بنا کر مربی کوارٹر بنایا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ مجھ سے قبل کسی وقت میرے خسر مولانا محب اللہ صاحب بمع اہل و عیال اس میں رہے ہیں۔ مجھ سے پہلے مولانا احمد صادق محمود صاحب بھی رہے۔

ہم جاتے ہی بیمار ہو گئے۔ کیونکہ جنوری کا شروع سخت سردی کا موسم ہوتا ہے۔ کُھلنا میں کوارٹر ایسا تھا کہ جس کا دروازہ اور کھڑکی بند کرنے سے سردی اندر نہیں آتی تھی۔ چٹاگنگ میں ٹین شیڈ تھا۔ دیوار کے اوپر ٹین شیڈ کے نیچے کافی بڑی جگہ کھلی ہوتی ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں۔ ٹھنڈ لگنے سے ہم بیمار ہو گئے۔ جلدی چند روز میں دیوار کے اوپر شیڈ کے نیچے کھلی جگہ کو موٹے گتّے وغیرہ سے بند کیا گیا۔ الحمد للہ

محترم نور الدین احمد صاحب امیر تھے۔ بہت فدائی، مخلص نیک فطرت بزرگ انسان تھے اور ان کا سارا وقت ہی جماعت کے لئے وقف تھا۔

ہماری جماعت میں جہاں بھی جائیں احباب سب کھلے دل کھلی باہیں آکر ملتے ہیں۔ ہماری بھی پرانی عادت پاکستان میں بھی یہاں بھی ہر ایک سے ملتا رہا گھروں میں بھی جاتا رہا۔ چھوٹے بڑے سب ہم سے بے تکلف ہو جاتے ہیں۔ پردے کی پابندی بہر حال قائم رہتی۔ ہر جماعت میں کچھ لوگ ہوتے ہیں جو بہت زیادہ تعاون کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ یہاں کا سب سے بڑا خاندان محترم سید خواجہ احمد صاحب کا خاندان ہے۔ ان کے 6 بیٹے 6 بیٹیاں ہیں، بہت مخلص ہیں۔ ملنسار، ہمدرد اور تعاون کرنے والے ہیں۔ جماعت کے ہر کام میں حصہ لینے والے ہیں۔ سید خواجہ احمد صاحب اور ان کے بیٹے بیٹیاں اور داماد بھی روزانہ مسجد میں آنے والے تھے۔

مکرم نذیر احمد صاحب اور انکی اہلیہ امۃ الرشید Rushu آپا ربوہ جاتے رہے۔ پہلے سے واقف تھے۔ 1984ء میں ایک دفعہ مَیں بنگلہ دیش آیا تھا۔ اس وقت ان کے گھر

3/2 روز ٹھہرا تھا۔ برادرم مکرم بدر الدین MontuBabu میرے ہمزلف تھے۔ ان کو ملنے چٹاگنگ آیا تھا۔ چند دن ان کے پاس قیام کیا تھا۔

مکرم مسعود الرحمان مرحوم میری بیوی کے خالو بھی تھے اور ماموں بھی۔ مسعود الرحمان صاحب کے چھوٹے بھائی عبید الرحمان صاحب بھوئیاں میری ساس صاحبہ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ عبید الرحمان بھوئیاں پہلے پاکستان ائرلائن P.I.A میں بعد میں بنگلہ دیش ایرلائن Biman میں بڑے افسر تھے۔ کراچی میں رہے۔ اس زمانہ سے میرے واقف تھے۔ ڈھاکہ میں ہمیشہ ہر مشکل میں عبید الرحمان بھوئیاں اور ان کے بیوی بچے ہماری بہت مدد کرنے والے تھے۔

ساری جماعت ہمارے ساتھ ہر طرح بہت تعاون کرنے والی تھی۔ محترم سید خواجہ احمد مرحوم اور ان کے بیٹے بیٹیاں اور داماد بالکل اپنے بھائیوں جیسے ہم پر سایہ فگن تھے۔ سید خواجہ صاحب کی بڑی بیٹی امۃ المجید صاحبہ اہلیہ مکرم لقیۃ اللہ صاحب مرحوم اور ان کے بچے ان کی دوسری بیٹی امۃ الحبیب اہلیہ مکرم سید شمس الہدیٰ مرحوم اور ان کے سارے بچے اُس زمانہ میں بھی اَور آج بھی اس خاندان کے سب کے سب بھائی بہن کی طرح ہیں۔ مکرم لقیۃ اللہ اور مکرم سید شمس الہدیٰ صاحب ہر وقت ہر خدمت کے لیے تیار رہتے تھے۔

محترم احمد الرحمان صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی محمود الرحمان صاحب مرحوم میری ساس کے ماموں صاحبان تھے۔ ہمیشہ ہمارا خیال رکھتے رہے۔ مشورہ دیتے رہے۔ مکرم احمد الرحمان صاحب تو تبلیغ میں مصروف رہتے تھے۔

خاکسار نے آہستہ آہستہ سب سے رابطہ بڑھایا۔ سب کو تبلیغ کے لیے جوش دلاتا رہا۔ وہ ایسا زمانہ تھا کہ کئی لوگ کہتے تھے کہ بیعتیں کروانا تو ہمارا کام نہیں۔ خدا جب چاہے تو کوئی بیعت کرتا ہے۔ خاکسار ذاتی ملاقاتوں میں دوستوں کو سمجھاتا رہا کہ کوشش کرنی ہوتی ہے دعائیں کرنی ہوتی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ پہلے ایک سال میں چٹاگنگ ڈویژن کے سارے علاقہ میں 25 بیعتیں ہوئی تھیں۔

1992ء میں جو بنگلہ دیشی احمدی لندن جلسہ پر گئے ہوئے تھے جلسہ کے بعد بنگالی احمدیوں کی ملاقات میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے خاکسار کی تعریف فرمائی تھی۔ اس سال کُھلنا جماعت کے دو نوجوان این اے شمیم اور محب اللہ صاحب جلسہ پر گئے تھے۔ (محب اللہ صاحب بعد میں 1999ء میں شہید ہو گئے)۔ انہوں نے خط لکھ کر بتایا تھا کہ حضور نے میری تعریف فرمائی ہے۔ این اے شمیم صاحب بعد میں بیلجیئم میں مجلس خدام الاحمدیہ کے نیشنل صدر بنے اور اب موجودہ مجلس انصار اللہ کے صدر ہیں۔ اس طرح چٹاگنگ کے نومبائع احمدی نوجوان اس جلسہ پر گئے تھے۔ اس نے بھی مجھے بتایا تھا کہ حضور نے میری تعریف فرمائی ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ اس سے مجھے بے حد خوشی ہوئی اور جماعتی کام کیلئے بہت قلبی اور ذہنی قوت حاصل ہوئی۔ الحمد للہ۔

چٹاگنگ Port City ہے۔ اس کے ساتھ Rangamati, Bandarban, Khagrachari, Cox's Bazar وغیرہ پہاڑی علاقے ہیں۔ ساحل سمندر کے اضلاع بھی شامل ہیں۔ چٹاگنگ بنیادی طور پر تجارت اور کاروباری مرکز ہے۔ ملک کے دوسرے علاقوں کے بہت سے لوگ روزگار کی تلاش میں آتے رہتے ہیں۔ وقتی طور پر

کام ملتے ہیں۔ نوکری چلی جائے تو وہ کسی اور علاقہ میں چلے جاتے ہیں۔ موسمی پرندوں کی طرح۔ ہماری مسجد چٹاگنگ شہر کے مرکز میں واقع ہے۔ ایسا ہے کہ لوگ ہماری مسجد میں آتے رہتے تھے۔ گیٹ کُھلا ہوتا تھا۔ لوگ آسانی سے اندر آجاتے تھے۔ بعد میں تو Gatekeeper یا داروان رکھا گیا۔ لیکن روزانہ بعض غیر احمدی ہماری مسجد میں آجاتے تھے۔ بیعتیں ہوتی رہتی تھی۔ ان میں زیادہ تر چٹاگنگ سے باہر کے لوگ ہوتے تھے۔

ان علاقوں میں دینی مدرسے بہت ہیں۔ اکثر مدرسوں کے طلباء جماعت کے بارہ میں معلومات کے لیے آتے تھے۔ خاکسار 15 سال چٹاگنگ میں رہا۔ تھوڑی باتیں لکھ رہا ہوں۔

چٹاگنگ کے علاقہ میں بہت سے مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ ہماری مسجد کے ارد گرد ہندو مندر (عبادت گاہ) بھی ہیں۔ سکھوں کے گوردوارے بھی ہیں۔ عیسائی گرجے بھی ہیں۔ اور یہ شہر بدھ مذہب کا بڑا مرکز ہے۔ چٹاگنگ اور دوسرے اضلاع میں کئی لاکھ بدھ مت لوگ آباد ہیں۔ یہاں فرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوتے۔ تمام مذاہب کے لوگ امن سے رہتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ کاروبار میں روپیہ کمانے میں مصروف رہتے ہیں۔ فتنہ فساد کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اس لیے ہمیں آسانی تھی۔ بعض مولوی صاحبان رات کو مجھے ملنے آتے تھے۔ وہ صاف کہتے تھے کہ ہم احمدی ہو جائیں تو بیکار ہو جائیں گے۔ بیوی بچے بھوکے مریں گے۔ پھر بھی 15 سالوں میں کم از کم 8،10 مولوی صاحبان احمدی ہوئے ہیں۔ وہ مدرسے وغیرہ میں کام کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے۔ لیکن ماحول پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

چند سال پہلے بنگلہ دیش میں ملک بھر میں ہمارے خلاف ملک گیر فساد برپا کیا گیا تھا۔ اُس وقت چند دن یہاں بھی بہت شدید مخالفت ہوتی رہتی تھی۔ وہ اس لیے کہ باہر سے بہت زیادہ مولوی روپیہ دے کر بھجوائے گئے تھے۔ ورنہ چٹاگنگ کے لوگ ہنگامہ میں شامل نہیں ہوتے۔ چٹاگنگ میں احمدیت کے خلاف شدید مخالفت نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ 1905ء میں حضرت سید احمد کبیر نور محمد صاحبؓ قادیان جا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر کے آئے تھے۔ وہ پہلے بنگالی صحابی تھے۔ بزرگ خاندان سے ان کا تعلق تھا۔ میں خود ان کے گھر گیا ہوں۔ چٹاگنگ شہر سے باہر تحصیل انورہ Battoli گاؤں میں 'محسن الاولیاء' کا مزار جس علاقہ میں واقع ہے اس کے قریب ہی اس بزرگ صحابی کا آبائی مکان ہے۔ صحابی صاحب کے بھتیجے سید محمود نور صاحب کے ساتھ ہم گئے تھے۔ بازار میں سے ہم گذر رہے تھے۔ سب لوگ خاص طرز پر ہاتھ اٹھا کر سلام کر رہے تھے۔ جیسے پیر صاحب ہیں۔ صحابی سید احمد کبیر صاحب بہت تبلیغ کرتے رہے۔ شدید مخالفت کا سامنا کرتے رہے۔ ان کی تبلیغی مساعی کی کارگزاری 1907ء قادیان کے بدر اخبار میں شائع ہوتی رہی۔

اس کے بعد 1914ء میں حضرت مولوی مبارک علی خان صاحب گورنمنٹ مسلم ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ 1922 تا 1924ء پہلے لندن بعد میں جرمنی کے پہلے مبلغ رہے۔ آپ نے 1914ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں لکھا کہ یہاں تبلیغ کے لیے مبلغ بھجوائیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے 3 صحابہ کرام کا ایک وفد چٹاگنگ بھیجا جس میں حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ، حضرت مولوی عبد

الرحمان صاحبؓ، حضرت چودھری فتح محمد سیال صاحبؓ شامل تھے۔ تینوں بزرگان نے یہاں کئی روز قیام کیا۔ پبلک جلسہ بھی کیا اور خاص علماء کرام کے ساتھ الگ بیٹھے اور احمدیت پر تفصیلی سوال جواب کرتے رہے۔ چٹاگنگ کے علماء نے بہت اچھا کردار ادا کیا۔ چٹاگنگ کے علماء کرام نے محترم مولانا عبد اللطیف خان صاحب کو احمدی علماء سے بحث کے لیے اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ مولانا عبد اللطیف خان صاحب اس بحث کے بعد احمدی ہو گئے۔ آپ چوک بازار ولی خان مسجد کے امام تھے۔

اس کے بعد چٹاگنگ سے بعض علماء اور بعض سیاسی لیڈر جیسے خان بہادر عبد الستار خان صاحب وغیرھم نے احمدیت کو جاننے کے لیے قادیان کا سفر کیا۔ اس وقت یہاں مسلمان تھوڑے تھے اور مسلمان شرفاء کے دل میں احمدیت کے بارہ میں مثبت اثر پیدا ہو گیا تھا۔ آج بھی سوسائٹی پر اس کا اثر ہے۔ خاکسار چٹاگنگ جماعت کے معززین کے ساتھ بھی بعض بااثر شخصیات سے ملاقات کرتا رہا۔ مکرم فضل احمد صاحب ٹیری بازار والے بہت تبلیغ کرتے تھے۔ مجھے بہت سے معززین سے ملاقات کروائی تھی۔ بعض نے احمدیت قبول کر کے احمدیت چھپا رکھی تھی۔

میرے دَور میں بہت سے لوگ چٹاگنگ کے باہر سے آئے اور بیعت کر کے گئے۔ جیسے روح الامین ضلع Pirojpur سے آتے رہے۔ قریباً 8 دوست ان کے ذریعہ احمدی ہو گئے تھے۔ 1992ء کی بات ہے Pirojpur سے چٹاگنگ آنا دور پڑتا تھا۔ ڈھاکہ سے ان کا رابطہ کروا دیا تھا۔

مولوی ادریس مُلاں صاحب گاؤں Dakua تحصیل Galachipa ضلع Patuakhali سے آئے تھے۔ احمدیت کی وجہ سے بے روزگار ہو گئے تھے۔ ہم نے چٹاگنگ میں انہیں رکھا اور نوکری دلائی۔ پھر ان کے ذریعہ تبلیغ چلائی۔ ایک دفعہ ان کے گاؤں Dakua میں ہم بھی انہیں لے کر گئے۔ میرے ساتھ چٹاگنگ کے قائد مجلس خدام الاحمدیہ منصور احمد صاحب بھی گئے تھے۔ منصور احمد صاحب لندن میں جماعت کی خدمت کر رہے ہیں۔ الشرکۃ الاسلامیہ میں Manager Accounts & Finance ہیں۔ ہمارے جانے کے بعد Dakua میں اور بیعتیں ہوئیں۔ تعداد 28 ہو گئی۔ اس طرح ارد گرد سے لوگ آکر بیعتیں کر کے چلے جاتے تھے۔ ضلع Comilla, Noakhali وغیرہ سے کئی لوگ احمدی ہونے کے بعد گھروں سے جو نکالے جاتے وہ چٹاگنگ آجاتے۔ ہم انہیں مسجد میں ٹھہراتے۔ کوئی روزگار دلاتے۔ پھر تبلیغ کے کام پر لگا دیتے۔

1996ء میں محترم مبشر الرحمان صاحب چٹاگنگ میں Postal Department میں بڑے افسر تھے۔ چٹاگنگ کے امیر بنے۔ آپ بھی بے روزگار لوگوں کو مختلف قسم کے کاروبار پر لگاتے تھے۔ بہت ذہین اور مخلص علم دوست آدمی ہیں۔ اب تو نیشنل امیر ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے خاص طور پر ہر سال دوگنی بیعتوں کی تحریک فرمائی۔ چٹاگنگ کے اکثر احباب خدام یا انصار تبلیغ کے میدان میں بہت محنت کرنے لگے۔ چٹاگنگ کے قریبی اضلاع میں تبلیغی مہم چلاتے رہے۔ خدام کو لٹریچر، لیف لیٹس

دے کر بھجواتے تھے۔ خاکسار بھی جاتا رہا۔ Fatikchari, Cox's Bazar, Bandarban, Rangamati وغیرہ میں میَں بھی جاتا رہا۔ Cox's Bazar بہت مشہور ساحل سمندر رہے۔ وہاں بعض احمدی تھے۔

حکومت کے محکمہ جنگلات میں دو بااثر احمدی ہمیں مل گئے۔ یعنی ہمارے زمانہ میں ہماری کوشش سے وہ احمدی ہوئے۔ مثلاً (1) مکرم عبد الکریم صاحب محکمہ جنگلات میں افسر تھے۔ (2) مکرم Wazuddin صاحب۔ یہ دونوں صاحبان بہت تبلیغ کرتے تھے۔ Wazuddin صاحب تو پورے محکمہ جنگلات کے ملازمت کرنے والے ملازمین کے Union کے صدر تھے۔ بہت باہمت بااثر مہمان نواز انسان تھے۔ پُر حکمت داعی الی اللہ تھے۔ چٹاگنگ شہر میں مکان کرائے پر لے کر بچوں کو رکھ کر خود علاقوں میں آتے جاتے تھے۔ جہاں بھی جاتے تبلیغ کرتے تھے۔ بہت تبلیغ کرتے تھے۔ Wazuddin صاحب جلد فوت ہو گئے۔ بچے خوشحال ہیں۔ انکا ایک بیٹا نعام القادر لندن میں ہے۔ صاحب روزگار ہے۔ خوشحال ہے۔ عبد الکریم صاحب کی کوشش سے ایک گاؤں Nazirhat, Hosnabad علاقہ تحصیل Fatikchari میں 8/7 نوجوان احمدی ہو گئے تھے۔ عبد الکریم صاحب تبلیغ کر کے ہمارے پاس بھیجتے تھے۔ ان میں سے مکرم شفیع العالم صاحب R.F.L کمپنی ڈھاکہ میں اچھے عہدہ پر ہیں۔ 2،3 دفعہ خاکسار بھی ان کے پاس جاتا رہا۔ وہ جب بھی شہر میں آتے تو مسجد میں آتے تھے۔ اب تو ڈھاکہ میں ہیں۔

اخبارات سے رابطہ

1992ء میں ڈھاکہ ہماری مرکزی مسجد پر حملہ کیا گیا۔ اس پر محترم محمد مصطفیٰ علی صاحب نیشنل امیر نے کہا اخبارات سے روابط پیدا کریں اور اخبارات میں جماعت کی طرف سے کچھ شائع ہونا چاہیے۔ خاکسار کو اخبارات سے رابطہ کا بہت شوق تھا۔ اخبارات سے رابطہ شروع کر دیا اور سب سے پہلے چٹاگنگ کے روزنامہ 'آزادی' میں مَیں نے جماعت کے عقائد شائع کروائے۔ اسکے بعد جماعتی مصروفیت کی خبریں شائع ہوتی رہی۔ نوجوانوں کو اخبارات میں لکھنے کے لیے تعلیم و تربیت دینا شروع کی گئی۔ محترم نیشنل امیر مصطفیٰ علی صاحب اس میدان میں شاہ سوار تھے۔ ہمیں بتایا کس طرح شروع کرنا ہے۔

ہم پریس کلب جاتے رہے 'آزادی' کے ایڈیٹر مکرم پروفیسر محمد خالد صاحب سے دو دفعہ ملاقات کی۔ لٹریچر دیا تھا۔ وہ بہت معقول مناسب طبیعت کے تھے۔ غیر متعصب تھے۔ انہوں نے اپنے نیوز ایڈیٹر سے بات کرنے کو کہا۔ ہم ان سے ملے۔ خاکسار جماعت کے کسی معمر اور معزز صاحب کو ساتھ لے کر جاتا رہا۔ دوسرا بڑا روزنامہ Purbokon تھا اس کے ایڈیٹر اور مالک مکرم الحاج محمد یوسف صاحب سے ملاقات کی۔ ہمارے بھائی محمد یعقوب صاحب ہمارے ساتھ تھے۔ مکرم الحاج محمد یوسف صاحب نے تو سخت مخالفت ظاہر کی، لیکن بات کرتے رہے۔ لٹریچر ان کے میز پر رکھ کر بات کرتے رہے۔ آخر میں ہم نے لٹریچر پڑھنے کی درخواست کی۔ پہلے تو راضی نہ ہوئے لیکن بالآخر کہا ٹھیک ہے۔ چند ایک کتابچے انہوں نے رکھ لئے۔ ان کے دفتر کے ایک صاحب نے مخالفت ظاہر کی۔

لیکن ایک اَور صاحب نے شرافت ظاہر کی۔ الحمد للہ۔ لیکن ہمارے نوجوانوں کی طرف سے خطوط شائع ہونے لگے۔ بعد میں میرے بعض مضمون بھی شائع ہوئے۔ میرے پاس بہت سارے اخباری تراشے موجود ہیں۔

اس زمانہ میں بعض خدام اخبار میں لکھتے لکھتے اب تو وہ پکے لکھاری اور قلمکار بن گئے ہیں۔ مثلاً نثار احمد صاحب کے مضامین اخبارات میں شائع ہوتے رہے۔ بعد میں کتابیں شائع ہو گئیں۔ اب تو نثار احمد صاحب چٹاگنگ کے امیر منتخب ہو گئے ہیں۔ اور چٹاگنگ شہر کی بہت سی انجمنوں (سوسائٹی) کے ممبر ہیں۔

محمود احمد صاحب شومن وہاں معلم کے طور پر متعین تھے وہ بھی لکھاری بن گئے ہیں۔ قومی اخبارات میں ان کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ ان کی کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔ الحمد للہ۔ احمدی احباب کا اخبارات میں مضامین لکھنا جماعت کے حق میں بہت مفید بات ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے نوجوانوں کو تحریک کرنی چاہیے تاکہ وہ اخبارات سے رابطہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ احمدیوں کو لکھنے کی توفیق دے۔

معززین شہر سے ملاقاتیں

مرکزی ہدایت بھی تھی اور مجھے شوق بھی تھا مختلف طبقات کے لوگوں سے ملاقاتیں کرنا۔ روابط بڑھانا ضروری بات تھی۔ خاکسار جماعت کے معززین کو ساتھ لے کر ملاقاتیں کرتا رہا۔ مثلاً ڈاکٹر پروفیسر عبد المنان صاحب چٹاگنگ یونیورسٹی کے پروفیسر

صاحب کے گھر جاکر ملاقات کی اور کتابیں دیں۔ بعد میں وہ چٹاگنگ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنے۔

چٹاگنگ یونیورسٹی کے ایک اور پروفیسر ڈاکٹر معین الاسلام صاحب کے گھر جاکر ملاقات کی، کتابیں دیں۔

پروفیسر ڈاکٹر جمال نذرالاسلام مرحوم ہمارے پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام صاحب کے شاگرد تھے۔ ہماری مسجد کے جلسے میں آتے رہے۔ ان کی کوشش سے پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب چٹاگنگ یونیورسٹی میں آئے تھے۔ ڈاکٹر سلام صاحب مرحوم تو جہاں بھی جاتے احمدیہ مسجد میں بھی ضرور آتے تھے۔

1981ء میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے ہماری چٹاگنگ کی نئی تعمیر ہونے والی مسجد کی بنیاد میں پہلی اینٹ بطور Foundation Stone رکھی تھی۔

معززین شہر سے ملنے کے لئے ہمارے جو دوست میرے ساتھ جاتے تھے ان میں پرنسپل مصلح الدین خادم صاحب مرحوم، مکرم یعقوب علی صاحب مرحوم، مکرم مسعودالحق صاحب مرحوم ، مکرم فضل احمد صاحب Teree Bazar مرحوم، مکرم صدیق رحیم صاحب قابل ذکر ہیں۔

سیاسی لیڈروں سے ملاقات کرتا رہا جماعت کا پیغام پہنچاتا رہا جیسے محترم نورالاسلام B. S. C. صاحب ہیں۔ ان کے دفتر میں جاکر ملاقات کی۔ اس وقت مکرم نورالدین صاحب امیر جماعت میرے ساتھ تھے۔ نورالاسلام B. S. C. صاحب کو مل کر ہم حیران ہو گئے۔ ان کے پاس ہماری بہت قیمتی کتابیں تھیں وہ خرید تے تھے۔ وہ

ہمارے حق میں اخبارات میں لکھتے تھے۔ بعد میں رات کو ان کے گھر جاکر بھی ملاقات کی ۔ اس وقت مکرم مسعود الحق صاحب مرحوم میرے ساتھ تھے۔ اب تو نورالاسلام B. S. C. صاحب حکومت میں وزیر ہیں۔

عوامی لیگ کے ایک اور لیڈر اختارالزمان مرحوم قومی اسمبلی کے ممبر تھے۔ ان کے گھر پر جاکر ملاقات کی تھی۔ ہمارے ڈاکٹر محمد شریف صاحب میرے ساتھ تھے۔

چوہدری سلطان محمود مرحوم کے گھر جاکر ملاقات کی۔ ہمارے فضل احمد صاحب میرے ساتھ تھے۔ چوہدری سلطان محمود صاحب کے بیٹے جناب صلاح الدین صاحب قومی اسمبلی کے ممبر تھے۔ Cox's Bazar District Council کے چیئرمین بھی تھے۔ سب کو تبلیغ بھی کرتے رہے۔ کتابیں دی گئیں۔ اَوروں سے بھی ملاقات کرتا رہا۔ سب کا ذکر کرنا ممکن نہیں ہے۔

بعض غیر احمدی دوست بھی تبلیغ میں امداد دیتے رہے۔ مکرم اقبال یوسف صاحب Maizvandari نے تو ہمارے حق میں کتاب بھی لکھ کر شائع کی تھی۔ بدھ مذہب چٹاگنگ کے بہت بڑے لیڈر کی یاد میں ایک جلسہ میں میری تقریر کا انتظام کر دیا تھا۔ جہاں جاکر خاکسار کو جماعت احمدیہ کے عقائد پر تقریر کرنے کا موقع ملا تھا۔

ایک دفعہ قریباً 16 مختلف فرقوں کے مولوی صاحبان کو ایک مجلس میں تقریر کرنے کا موقع ملا تھا۔ Premier یونیورسٹی کے ایک ہال میں اجلاس کا انتظام تھا۔ ہماری طرف سے مولانا عبد الاول خان چوہدری صاحب کو بلایا گیا تھا۔ سب مولوی صاحب اپنے اپنے فرقے کے نقطہ نظر سے مذہبی آزادی اور مذہبی رواداری پر تقریر کرتے

رہے۔ مولانا عبد الاول خان چوہدری صاحب نے واضح الفاظ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد اور صداقت کے بارے میں بیان کیا تھا۔ عوام الناس کو نہیں بلایا گیا تھا۔ صرف مولوی صاحبان کو اور بعض یونیورسٹی Students اور کچھ احمدیوں کو بلایا گیا تھا۔ تقاریر کے بعد سب کے لئے چائے کا انتظام تھا۔ اس وقت سب مولوی صاحبان مولانا عبد الاول خان صاحب سے ملتے رہے۔ حال احوال پوچھتے رہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے چٹاگنگ کے علماء کرام اور معززین احمدیت کے بارہ میں جانتے ہیں اور متعصب نہیں ہیں۔

ایک دفعہ ہمارے بھائی مکرم ایڈووکیٹ ظہور الحق انصاری صاحب کے گھر ان کے گاؤں کے بعض مولویوں سے گفتگو کا پروگرام بنایا تھا۔ ظہور الحق انصاری صاحب کے بیٹے نے اپنے زیر تبلیغ بعض مدرسہ کے طلباء کو بلایا تھا۔ ساتھ 3،4 ان کے مدرسہ کے اساتذہ بھی آئے تھے۔ ظہور الحق انصاری صاحب کے گھر دوپہر کھانے کے بعد گفتگو کا پروگرام تھا۔ تھوڑا فکر مند تھا کہ مولوی کیا صورت حال پیدا کریں گے۔ کھانے کے بعد گفتگو شروع کرنی چاہی۔ میں نے مولوی صاحب کو کہا پہلے آپ کچھ کہیں۔ ہماری ابتدائی باتیں تو آپ کو معلوم ہی ہیں۔ مولوی صاحب نے کمال کر دیا۔ کہنے لگے کہ آپ کی جماعت احمدیہ کے بارہ میں ہمیں پوری معلومات حاصل ہیں۔ آپ کی کتابیں ہمارے پاس ہیں۔ ہمارے بارہ میں بھی آپ جانتے ہیں۔ سو بحث کی کوئی وجہ نہیں۔ خوانخواہ تلخی ترشی پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ اپنی جگہ رہیں ہم اپنی جگہ رہیں۔ ہم کوئی بحث کرنا سوال جواب کرنا مناسب نہیں خیال کرتے۔ اس کے بعد کسی نے کوئی سوال نہیں اٹھایا۔

سب نے کہا ٹھیک ہے۔ اس طرح کسی سوال جواب کے بغیر ہی بات ختم ہو گئی۔ وہاں پر ہمارے وکیل صاحب اکیلے احمدی ہیں۔ کوئی اور احمدی نہیں ہے۔ میں نے بھی بات کو بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ ہماری مسجد میں میرے دفتر میں بہت مولوی صاحبان آتے رہے۔

جمعہ پر اچھی حاضری

چٹاگنگ کے اکثر لوگ جمعہ پر آتے تھے۔ جماعتی کاموں میں حصہ لیتے رہے۔ حلقہ جات میں میٹنگز ہوتی تھیں۔ جن میں ہم جاتے رہے۔ محترم چودھری حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید تشریف لائے تھے۔ اس زمانہ میں ہماری مسجد زیر تعمیر تھی۔ محترم چودھری صاحب چٹاگنگ جماعت میں تشریف لائے تھے۔

چٹاگنگ میں نئی مسجد کی تعمیر

محترم پروفیسر عبد اللطیف خان صاحب نے 1916ء میں احمدیت قبول کی اور 1920ء سے یہاں (چٹاگنگ) جماعت قائم ہو گئی تھی۔ پروفیسر صاحب موصوف چٹاگنگ گورنمنٹ کالج میں عربی کے پروفیسر تھے۔ محترم پروفیسر عبد اللطیف خان صاحب 1920ء سے 1933ء تک متحدہ بنگال کے امیر رہے۔ حضرت مولانا سید عبد الواحد صاحب آف برہمن بڑیہ پہلے امیر تھے۔ پروفیسر عبد اللطیف خان صاحب احمدیت سے پہلے چوک بازار ولی خان مسجد کے امام تھے۔ چوک بازار ولی خان مسجد 250 سال پرانی

مسجد ہے۔ چٹاگنگ ضلع کے تمام لوگ جانتے ہیں کہ چوک بازار ولی خان مسجد کہاں ہے۔ چٹاگنگ کے علماء کرام پروفیسر عبد اللطیف خان صاحب کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ احمدی ہونے کے بعد پروفیسر صاحب نے اپنے مکان کے ایک کمرے میں نمازیں پڑھانا شروع کیں۔ بعد میں اپنے مکان کی زمین کا ایک حصہ مسجد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ 1955ء سے 1961ء تک محترم سید خواجہ احمد صاحب جماعت کے پریذیڈنٹ تھے۔ انہوں نے یہاں پر ایک خوبصورت اور اچھی مسجد تعمیر کروائی تھی۔ اس مسجد کا فرش اور دیواریں پکی تھیں، اوپر ٹین شیڈ تھا۔ لیکن ایک عرصہ سے نئی مسجد کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔

محترم پروفیسر عبد اللطیف خان صاحب کے خلف الرشید محترم غلام احمد خان فالو میاں صاحب 1986ء تا فروری 1991ء یعنی اپنی وفات تک امیر جماعت چٹاگنگ کے طور پر خدمت کی توفیق پاتے رہے۔ کہ خاکسار 1992ء میں جب بطور مربی سلسلہ چٹاگنگ آیاتو افسوس ہے فالو میاں صاحب موجود نہیں تھے۔ بہت مخلص، بہت فدائی جن کی پوری زندگی جماعت کی خدمت کے لئے وقف تھی۔ خلیفۂ وقت سے بہت محبت اور عقیدت رکھنے والے۔ ہر سال جلسہ سالانہ پر ربوہ اور اس کے بعد لندن جاتے تھے۔ اپنے والد ماجد کی وصیت کے مطابق اس مسجد کے لئے زمین رجسٹر کروادی تھی۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

اُس وقت کے امیر جماعت محترم غلام احمد خان صاحب فالو میاں مسجد کی بنیاد کے لیے ایک اینٹ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے دعا کروا کے لائے تھے۔ 1981ء

میں ڈاکٹر پروفیسر عبد السلام صاحب (نوبل پرائزیافتہ) چٹاگنگ یونیورسٹی کی دعوت پر یہاں آئے تھے۔ 18 جنوری 1981ء کو ڈاکٹر عبد السلام صاحب نے یہاں ایک مسجد کی بنیادی اینٹ رکھی تھی۔

زمانہ گزرتا گیا مگر مسجد کی تعمیر کا کام شروع نہ ہو سکا۔ خاکسار کے چٹاگنگ آنے کے بعد لجنہ اماء اللہ خاص طور پر محترم سید خواجہ احمد صاحب کی بڑی بیٹی امۃ المجید چھوٹی آپا اہلیہ مکرم لقیۃ اللہ صاحب اور خواجہ صاحب کی اور ایک بیٹی امۃ الرشید روشو آپا اہلیہ مکرم نذیر احمد صاحب نے بار بار مجھے کہنا شروع کر دیا اور کہتی رہیں کہ مربی صاحب یہ کام آپ نے ضرور کرنا ہے۔ مسجد کی تعمیر کا کام آپ نے کرنا ہے۔ خاکسار جب بھی سنتا تو خوف کھاتا تھا۔ بہاولپور اور کُھلنا میں مجھے یہ تجربہ حاصل ہوا کہ اگر ساری جماعت دل و جان سے متفق اور متحد ہو کر حضور سے دعا لے کر کوئی کام شروع کرے تو اللہ تعالیٰ فضل فرماتا ہے اور کامیابی عطا کرتا ہے۔ مجھے یہاں پر خوف ہوتا تھا کہ سب دوست محبت اور اخلاص کے ساتھ دل و جان سے متفق ہوں گے کہ نہیں۔ میں تو خود یہاں معمولی آدمی تھا۔ یہاں احباب جماعت میں بڑے بڑے باحیثیت لوگ تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ حالات بدلتے گئے۔

بالآخر سب دوست سنجیدگی سے کہنے لگے کہ خواہ کچھ بھی ہو مسجد کی تعمیر شروع کرنی چاہیئے، مجلس عاملہ میں متفقہ Resolution ہو گئی۔ محترم نیشنل امیر صاحب اور ان کی عاملہ بہت غور و فکر اور بحث و تمحیص کے بعد تعمیر کے حق میں متفق ہوئی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں اجازت اور منظوری کی درخواست چلی گئی۔ میں

نے خیال نہیں کیا، علم نہیں ہوا اور حضور کی خدمت میں لکھا گیا کہ 63 لاکھ روپے کا منصوبہ ہے۔ اور ہمارے امیر صاحب کے پاس صرف تین لاکھ روپیہ ہے۔ امیر صاحب کا خیال تھا کہ کام شروع ہونے سے روپیہ آتا رہے گا۔ ہمارا بھی یہی خیال تھا کہ روپیہ لوگ کام شروع ہوتا دیکھنے کے بعد دیتے ہیں۔ حضور انور نے فرمایا یہ کیا بات ہے 63 لاکھ روپیہ کا منصوبہ اور ہاتھ میں 3 لاکھ روپیہ ہے۔ جلدی سے ہم نے دوبارہ حضورؒ کی خدمت میں لکھا کہ 3 لاکھ مسجد فنڈ میں پہلے سے جمع ہے۔ حضورؒ کی اجازت ملنے کے بعد ہم مسجد کے لیے احباب سے روپیہ کی تحریک کریں گے۔ تب روپیہ آنا شروع ہو گا انشاء اللہ۔ 10 لاکھ روپیہ جمع ہونے کے بعد کام شروع کریں گے انشاء اللہ۔ حضور دعا کریں۔ حضور کی جانب سے اجازت ہمیں مل گئی۔ مجلس عاملہ میں Fund Raising کمیٹی بنائی گئی۔

اب اس اہم کام کے لئے امیر صاحب اور سب نے مجھ پر دباؤ ڈالا کہ یہ کام مجھے کرنا ہے۔ اور وہ یہ کہ خاکسار جمعہ پر اعلان کرے کہ آپ (احباب جماعت) مسجد فنڈ میں روپیہ دینا شروع کریں۔ میں نے بار بار کہا کہ امیر صاحب اعلان کریں یہ ان کا کام ہے۔ سب نے کہا، نہیں اعلان آپ نے کرنا ہے۔ مجھے اور سخت ڈر تھا کہ اتنی بڑی بات، اتنا بڑا کام!! بہت سے مراحل ہیں۔ صرف روپے کی بات نہیں۔ اور کئی مشکل مسائل ہیں۔ 15 سال پہلے بنیاد رکھی گئی لیکن تعمیر کا کام شروع نہ ہو سکا۔

سب سے مشکل اور خوفناک بات یہ تھی کہ موجودہ مسجد کو شہید کر کے نئی مسجد شروع کرنی ہوگی اور وقتی طور پر کسی اَور جگہ نماز جمعہ کا انتظام کرنا ہے۔ اگر تعمیر شروع کرنے کے بعد کوئی مشکل پیدا ہو جائے کوئی روک بن جائے تو یہ بہت پریشانی کی بات

ہو گی۔ بہت خوفناک بات ہو گی۔ شہر کے مرکز میں، پورے ڈویژن میں مرکزی مسجد ہے۔

چنانچہ جمعرات کا دن آگیا۔ مجھے پریشانی ہو رہی تھی کہ اگر موجودہ مسجد گرانے کے بعد روک پیدا ہو گئی تو جماعت کا بڑا نقصان اور بے حد مشکلات کا سامنا ہو گا اور لوگ مجھے لعن طعن کریں گے۔

بالآخر جمعہ کی صبح مجھے خواب آئی جس سے انشراح صدر ہو گیا اور دل مضبوط ہو گیا۔ خدا کا نام لے کر جمعہ کے خطبہ کے آخر میں جماعت سے درخواست کی کہ "آپ بہت بڑی قربانی کے لیے تیار ہو کر لبّیک کہیں"۔ مسجد فنڈ میں روپیہ دینا شروع کریں اور منفی باتیں نہ کیا کریں۔ منصوبہ کے خلاف منفی باتیں نقصان دِہ ہوتی ہیں۔ صبر کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرنا ہو گا۔ اور قربانیاں کرتے چلے جانا ہو گا۔ پتہ نہیں کس بات سے اثر پیدا ہوا۔ شاید اس بات سے کہ میں نے ذاتی طور پر کہا کہ ہمارے پاس کوئی روپیہ نہیں۔ میری بیوی کو حق مہر کے روپیہ کے طور پر ایک سونے کی Chain دی تھی۔ میں وہ chain اپنی بیوی اور اپنے بچوں کی طرف سے فنڈ میں دیتا ہوں۔ ایسا محسوس ہوا کہ احباب پر گہرا اثر پیدا ہو گیا۔ عورتیں مرد سب نے مل کر وعدے لکھوانے شروع کر دیئے۔ ادائیگی بھی شروع ہو گئی۔

اس کے ساتھ ایک غیبی مدد یہ آئی کہ ایک دوست عبد السلام صاحب کی طرف سے 3 لاکھ روپے کا بنک ڈرافٹ مسجد فنڈ میں بذریعہ ڈاک آگیا۔ ہم سب حیران ہو گئے۔

اس نام کا کوئی احمدی پورے ملک میں نہیں تھا۔ جس کی طرف سے یہ بنک ڈرافٹ ہو سکتا تھا۔

بہرحال ساڑھے آٹھ لاکھ روپے جمع ہو گئے اور کچھ پکّے وعدے ایسے مل گئے کہ ہمیں یقین ہو گیا کہ جلدی 12 لاکھ روپیہ جمع ہو جائے گا۔ محترم نیشنل امیر صاحب کی اجازت سے جماعت میں دعا کے لیے اعلان کر کے انتہائی خوف اور خوشیاں دل میں رکھ کر 11 دسمبر 1993ء کو پرانی مسجد کو ہم سب نے مل کر شہید کر دیا اور پوری تیاری کے ساتھ نئی مسجد کی تعمیر کا کام شروع کر دیا تھا۔

کچھ عرصہ یعنی مسجد کی پہلی منزل تعمیر ہونے تک سید خواجہ صاحب کے بڑے بیٹے مکرم سید ابراہیم سلیمان صاحب کے گھر کے سامنے خالی جگہ پر عارضی طور پر جمعہ کی نماز کے لئے جگہ بنائی گئی۔ جہاں ایک سال تک جمعہ کی نماز ہوتی رہی۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزائے خیر دے۔ آمین۔ تعمیر کا کام شروع کرنے کے بعد ایک ایک کر کے بہت سی مشکلات آتی گئیں، روکیں پیدا ہوتی گئیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے روکیں دور کرتا رہا۔ مثلاً پہلی روک مسجد کی زمین تھی نیچے جاکر مٹی نرم تھی سخت مٹی نہیں تھی۔ چٹاگنگ پہاڑی علاقہ ہے۔ یہاں زمینیں کہیں سخت، کہیں نرم ہیں۔ اس وجہ سے Foundation میں کافی روپیہ خرچ ہو گیا تھا۔ جب Foundation کے لیے کھدائی کی گئی یعنی زمین سات فٹ کھود کر نیچے جاکر Foundation رکھنی تھی۔ شدید بارش شروع ہو گئی۔ حالانکہ فروری میں کبھی ایسی بارش نہیں ہوتی۔ بارش سے تالاب بن گیا۔

طرح طرح کی مشکلات اور روکیں پیدا ہوتی گئیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے دور ہوتی گئیں۔ عملاً 29 اپریل 1994ء کو تعمیر کا کام شروع ہوا اور 1995ء کے آخر میں پہلی منزل مکمل ہو گئی تھی۔ محترم چوہدری مبارک مصلح الدین صاحب مرحوم وکیل المال ثانی تحریک جدید ربوہ بطور مرکزی نمائندہ بنگلہ دیش آئے ہوئے تھے۔ ہم نے ان سے درخواست کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے چوہدری مبارک مصلح الدین صاحب نے 12 جنوری 1996ء کو جمعہ کی نماز اسی نئی مسجد میں پڑھائی اور اس طرح مسجد کا افتتاح بھی ہو گیا۔ الحمدللہ۔

محترم نورالدین صاحب نے رات دن جماعتی کام اور خدمت کو مقدم رکھا۔ سارا سارا دن مسجد میں گزارتے تھے۔ مسجد کی تعمیر کے آغاز سے پہلی منزل مکمل ہونے تک نہایت جانفشانی سے کام کرتے رہے۔ بہت باہمت آدمی تھے۔ مسجد کی تعمیر میں تمام عہدیداران نے بہت محنت سے کام کیا۔ اور مسجد کی پہلی منزل کا افتتاح ہو گیا۔ الحمدللہ۔

اس کے بعد 21 جنوری 1996ء سے محترم مبشر الرحمٰن صاحب کو عمارت کی ذمہ داری دی گئی۔ 2001ء تک آپ اخلاص اور محنت سے ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔ چنانچہ آپ کے زمانہ میں مسجد کی دوسری منزل کا کام مکمل ہوا۔

18 اپریل 1997ء کو عیدالاضحیٰ کی نماز خاکسار نے اسی دوسری منزل میں پڑھائی اور اس طرح مسجد کی دوسری منزل کا آغاز ہو گیا۔ الحمدللہ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اس مسجد کی تعمیر میں ایک خطیر رقم عطا فرمائی تھی ۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ حضور انورؒ نے مسجد کا نام ''مسجد بیت الباسط'' عطا فرمایا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تعمیرات کا کام بند رہا۔

محترم مبشر الرحمٰن صاحب حکومت کے محکمہ ڈاک خانہ میں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ جولائی 2001ء میں آپ کا تبادلہ ڈھاکہ میں ہو گیا۔ اور آپ کے بعد جولائی 2001ء سے محترم شفیع العالم نظامی صاحب امیر مقرر ہوئے۔ مکرم نظامی صاحب کے زمانہ میں پھر ایک سنہری موقع ہاتھ آیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسجد بیت الباسط کی تیسری منزل کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ الحمد للہ۔

خدا کا جس قدر شکر ادا کریں کم ہو گا۔ انتہائی مشکل اور نامساعد حالات میں مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا تھا۔ ہمیں رات دن یہ فکر رہی کہ کب مسجد کے گراؤنڈ فلور یعنی فرش اور پہلی چھت ڈال دی جائے تا کہ ایک منزلہ مسجد بن جائے۔ ہم نے کام اس نیت سے شروع کیا تھا 'آغاز تو مَیں کر دوں انجام خدا جانے'

دیکھتے ہی دیکھتے دوسری منزل بھی تعمیر ہو گئی۔ پھر امید سے بڑھ کر یہ کہ تیسری منزل کی تعمیر بھی مکمل ہوگئی۔ الحمد للہ۔ مَیں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ میرے ہوتے ہوئے تیسری منزل بھی مکمل ہو جائے گی۔ پوری جماعت رات دن دعا اور ہر طرح کا تعاون کرتی رہی۔ لیکن یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس مسجد کے لئے یہی وقت مقرر تھا۔ خدا نے خود مدد کر کے اس کی تعمیر مکمل کروائی۔ ورنہ خدا جانے بعد میں کیا ہوتا۔ یہ مسجد تو علاقہ فینی، نواکھالی، چٹاگنگ اور

چٹاگنگ کے ساتھ ملحق پہاڑی چٹاگنگ کے 4 اضلاع جیسے رانگاماٹی، بندربان، خاگڑاچھڑی، ککس بازار (Cox's Bazar)سات اضلاع کامرکز تھی۔ جغرافیائی اور کاروباری ہر دولحاظ سے چٹاگنگ بنگلہ دیش کے مشرقی علاقہ کا تجارتی مرکز ہے اور سب سے بڑی بندرگاہ ہے اور بنگلہ دیش کا دوسرا دارالحکومت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی زبردست تائید ونصرت یہ تھی کہ دوران تعمیر کسی نے کوئی شرارت نہیں کی۔ ورنہ ہمارے علاقوں میں یہ عام بات ہے کہ تعمیرات کے لئے زمین کھودی گئی اور کسی نے جھوٹا مقدمہ قائم کر دیا کہ اس قطعہ زمین یا پلاٹ میں فلاں کا حصہ ہے۔ جعلی رجسٹری دلیل بنا کر عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا اور عدالت نے تعمیر روک دی۔ ہمیں بعض نے ڈرایا بھی تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ یا بعض مخالف مولوی فتنہ کھڑا کر سکتے ہیں کہ یہاں ان کو مسجد تعمیر کی اجازت نہیں دیں گے۔ بالکل ساتھ ہی تو ولی خاں مسجد ہے۔

کئی قسم کے خطرات پیدا ہو سکتے تھے چٹاگنگ شہر کے شہریوں کے ہم بہت شکر گزار ہیں کہ یہاں بسنے والے لوگ متعصب نہیں ہیں۔ مذہبی رواداری اور آزادی ہے ۔الحمدللہ۔

ہمارے امیر صاحب بہت اخلاص، بہادری اور محنت سے کام کرتے رہے۔ ساتھ مجلس عاملہ کے تمام ممبران، ذیلی تنظیمیں خدام الاحمدیہ، انصاراللہ اور لجنہ اماءاللہ بہت اخلاص اور دین کی محبت سے سرشار ہو کر قربانیاں کرتی رہیں۔

ہم سب دردِدل سے دعائیں کرتے رہے۔ امیر صاحب کے ساتھ ساتھ مکرم نذیر احمد صاحب جنرل سیکرٹری نہایت احسن طور پر اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ مکرم

نذیر احمد صاحب محترم غلام احمد خان صاحب کے مقرر کئے ہوئے جنرل سیکرٹری تھے اور رہے اور جولائی 2004ء میں امیر منتخب ہوئے۔ مسجد کا نقشہ (plan) بنوانا اور (Chittagong Development CDA Authority) سے پاس کروانا سنہایت مشکل کام تھا۔ عام طور پر بہت روپیہ اور وقت اس میں صرف ہو جاتا ہے۔ کم روپے اور کم وقت میں یہ کام قریباً ناممکن ہوتا ہے جو ہمارے بھائی نذیر احمد صاحب نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے آسانی سے کروالیا تھا۔ جزاھم اللہ۔

تعمیر کا کام شروع کرنے سے بہت پہلے ایک مسجد کمیٹی اور ایک فنڈ Raising کمیٹی بناسدی گئی تھی۔ ان دونوں کمیٹیوں نے رات دن محنت کر کے تعمیرات کا کام مکمل کروایا۔ ذیل میں ان کے نام لکھے ہیں۔

مسجد کمیٹی

1۔ مکرم مرزا محمد علی صاحب۔ چیئرمین

2۔ مکرم مزمل حق صاحب۔ سیکرٹری

3۔ مکرم سید ابراھیم سلیمان صاحب ممبر

4۔ مکرم ناصر احمد چوہدری صاحب ممبر

5۔ مکرم خالد احمد شیرازی صاحب

6۔ مکرم پروفیسر ڈاکٹر میر مبشر علی صاحب ڈھاکہ

7۔ مکرم انجینئر میر شوکت علی صاحب باسط (Concord Engineering (Dhaka

مکرم میر شوکت علی صاحب مختلف طریقے سے تعاون اور خدمات بجالاتے رہے۔ جو بظاہر نظر نہیں آتیں۔

فنڈ Raising کمیٹی

1۔ڈاکٹر ریٹائرڈ میجر اسد الزمان۔ چیئر مین

2۔ مکرم صدیق رحیم صاحب ممبر

3۔ مکرم منصور احمد ممبر قائد مجلس خدام الاحمدیہ چٹاگنگ ممبر

4۔ مکرم مرشد عالم صاحب اکاؤنٹنٹ

مکرم و محترم غلام احمد خان فالو میاں مرحوم خلافت کے ساتھ غیر معمولی طور پر تعلق رکھتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ فالو میاں صاحب کی یاد میں کچھ شائع ہونا چاہیے۔

ہمارے بھائی منصور احمد صاحب قائد مجلس چٹاگنگ نے بہت محنت سے ایک Souvenir Falu Mian Issue مرتب کر کے شائع کیا تھا جس میں چٹاگنگ جماعت کی ابتدائی تاریخ اور جماعتی activites کا ذکر ہے۔ اس میں مسجد بیت الباسط کی تعمیر کے بارہ میں بھی معلومات ہیں۔ الحمدللہ

کُھلنا میں میرا دوسرا دَور اور مسجد میں بم دھماکہ

ہم دوبارہ کُھلنا جا رہے ہیں۔ میری ڈائریاں محفوظ نہیں رہیں۔ کبھی خیال نہیں کیا کہ کسی وقت تاریخ لکھوں گا۔ امید بھی نہیں تھی، توفیق بھی نہیں تھی کہ کبھی یہ باتیں

لکھوں گا۔ چٹاگنگ میں بار بار مکان بدلتا رہا۔ کبھی مخالفت کی بنا پر، کبھی اَور وجوہات کی بنا پر۔ مَیں تو مخالفت کے ڈر سے مکان بدلنے کے حق میں نہیں تھا۔ کُھلنا میں جب آگ لگی تو سب نے کہا کہ کم از کم بچوں کا خیال کر کے مسجد سے دُور کسی جگہ پر کرائے کا مکان لے کر رہوں۔ مَیں نے کہا تھا مَیں اور میرے بیوی بچے ہی تو مسجد کی حفاظت کی ضمانت کے طور پر ہوں گے۔ انشاء اللہ۔ لیکن چٹاگنگ میں ایک مرتبہ محترم امیر صاحب نے دباؤ ڈالا کہ "اب مسجد میں نہیں بلکہ باہر کرائے کے مکان میں رہیں"۔ چنانچہ باہر کرائے کے مکان میں جانا پڑا۔ دوبارہ پھر مسجد کی تعمیر کے وقت باہر کرائے کے مکان میں جانا پڑا۔ اسی طرح بار بار مکان بدلنا پڑا۔

لیکن میں اپنی ماہانہ رپورٹ کارگزاری ہر ماہ ایک یا دو دفعہ محترم نیشنل امیر صاحب اور حضرت خلیفہ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں بھجواتا رہا۔ حضورؒ کی طرف سے رپورٹ کے جواب میں وکالت تبشیر لندن کی معرفت خطوط ملتے رہے۔ حضورؒ کی طرف سے جوابی خطوط کم از کم 200 سے زیادہ اب بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔ حضورؒ کی طرف سے جو خطوط آتے اس میں میری رپورٹ کارگزاری میں مذکور اہم باتیں لکھی ہوتی تھیں۔ یہ خطوط بھی تاریخی مواد ہیں۔

مَیں نے حضورؒ کی خدمت میں 30 نومبر 1998ء کو لکھا کہ میری تقرری دوبارہ کُھلنا میں ہو گئی ہے۔ حضورؒ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے مبارک فرمائے"۔ (وکالت تبشیر T3636/9.12.98)

عملاً ایسا ہوا کہ کُھلنا میں مربی کوارٹر خراب ہو چکا تھا۔ مجھے کہا گیا کہ میَں 15 روز چٹاگنگ اور 15 روز کُھلنا میں کام کرتا رہوں اور بیوی بچے چٹاگنگ میں ہی رہیں۔ چٹاگنگ ایک پورا ڈویژن ہے، کئی اضلاع میں بہت سی جماعتیں ہیں۔ اسی طرح کُھلنا بھی بہت سے اضلاع پر مشتمل ڈویژن ہے اور اُن میں کئی جماعتیں ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مہینہ بھر دَورے کرنے پڑتے۔ اسی طرح ایک سال گزرا۔ بہت زیادہ تکلیف ہوگئی اور بیمار بھی ہو گیا۔ لیکن میرے لئے اَور کوئی چارہ نہیں تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ کسی دن کوئی حادثہ ہو جائے گا۔ اسی طرح پورا مہینہ چکر لگاتے رہنا اور دَورے کرنا ممکن نہیں تھا۔ کُھلنا میں پندرہ روز دَورہ کر کے ڈھاکہ آنا پڑتا تھا۔ پھر اگلے دن چٹاگنگ جانا۔ علاوہ ازیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی تحریک کہ ”بیعتیں ہر سال دوگنی ہونی چاہئیں“ کی وجہ سے تمام علاقوں میں بہت سے معلّمین اور دیہاتی معلّمین اور بہت سے داعیان الی اللہ کے گروپس بنائے گئے تھے۔ اُن کی نگرانی بھی کرنی پڑتی تھی۔ نئے نئے علاقوں میں نئی نئی بیعتیں ہوتی تھیں۔

محمد جہانگیر حسین شہید اور عمر فاروق صاحب جہاں بھی جاتے اللہ کے فضل سے ضرور بیعتیں ہوتی تھیں۔ میں کُھلنا سے چٹاگنگ آتا۔ چٹاگنگ میں پندرہ روز دَورے کر کے پھر ڈھاکہ جاتا اور اس سے اگلے روز پھر کُھلنا کی طرف سفر شروع کر دیتا۔

میری گردن کی ہڈی میں کمزوری ہوگئی۔ یعنی درد ہوتا رہتا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ گردن کی ہڈی کو نقصان پہنچا ہے۔ اب احتیاط لازمی ہے۔ گردن نیچے نہیں کر سکتا تھا۔ اور کچھ عرصہ تک Physiotherapy کرواتا رہا۔ ورزشیں سکھا دی گئیں۔ با قاعدہ

ورزشیں کرنا ضروری ہوتی ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ عام طور پر لکھ نہیں سکتا تھا کیونکہ سَر نیچا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ لکھنے کے لئے اونچا اور ڈھلوان (Slope Table) میز بنا لیا تاکہ لکھ سکوں۔ پھر بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہی ہے کہ لکھ رہا ہوں۔ اس لئے مختصر کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

اب 8 اکتوبر 1999ء میں مسجد بیت الرحمٰن کُھلنا میں جو بم دھاکہ (Bomb Blast) ہوا تھا اس واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ حسبِ معمول پندرہ روز کے لئے کُھلنا جاتا رہا۔ ایک گاؤں Koldiar، علاقہ Bheramara، ضلع Kushtia میں ایک جماعت ہے جس کو ہم ناصر آباد کہتے ہیں۔ 1973ء میں یہ جماعت وجود میں آئی تھی۔ یہ جماعت بہت سے مخلصین کی جماعت تھی۔ یہ جماعت کُھلنا میں مقیم مبلغ کے زیرِ نگرانی ہوتی ہے۔ خاکسار بہت دفعہ وہاں جاتا رہا۔ 1998ء سے یہاں شدید مخالفت ہو رہی تھی۔ اتنی شدید مخالفت کہ جماعت کے لوگ اپنے گھر اور زمین چھوڑ کر باہر کسی جگہ جاکر مسافرانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ ڈھاکہ سے محترم نیشنل امیر صاحب، مولانا عبد الاول خان صاحب اور دیگر معززین حکومت کے افسران سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ لیکن ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ مخالفت کم نہیں ہو رہی تھی۔ حالات بہتر نہیں ہو رہے تھے۔ خاکسار کو یقین ہو گیا کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم شہادتیں پیش کریں۔ ہم شہید ہوں۔

مَیں دعا کرتا رہا کہ شہادت پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ معلوم نہیں کسی کے اندر شہید ہونے کی تمنا ہے یا نہیں۔ خاکسار اپنے لئے دعا کر رہا تھا کہ مَیں شہید ہو جاؤں۔ یہ تو نہیں ہو سکتا مَیں اَور کسی کے بارہ میں دعا کروں کہ وہ شہید ہو جائے۔

چٹاگنگ میں باہر سے بہت لوگ ہماری مسجد میں یعنی میرے دفتر میں آتے تھے۔ Patuakhali سے ایک صاحب شاید روح الامین نام تفصیلی تبلیغی گفتگو سنتے رہے۔ اور بیعت کرنے کو تیار ہو گئے۔ صحیح نام یاد نہیں رہا۔ بہت ہوشیار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مَیں نے کہا کہ بیعت کریں۔ کہنے لگے چٹاگنگ جماعت کا ممبر بننا مشکل ہے۔ یہاں تک آنا جانا مشکل ہوتا ہے۔ کُھلنا کا ممبر بننا چاہتا ہوں۔ کُھلنا عموماً میرا جانا ہوتا ہے۔ مَیں نے کہا ٹھیک ہے۔ جب مَیں کُھلنا جاؤں تو آپ وہاں جمعہ کے روز پہنچ جائیں۔ انہوں نے مجھے اپنا ڈاک کا پتہ بتایا کہ مَیں ان کو خط لکھوں کہ کب کُھلنا میں جمعہ پڑھنا ہے۔ مَیں نے اس شخص کو لکھ دیا کہ 8 اکتوبر 1999ء کو کُھلنا میں جمعہ پر آجائیں۔ خاکسار 6 اکتوبر کو کُھلنا پہنچ گیا۔ کیونکہ علاقہ جات کے معلّمین اور دیہاتی معلّمین اور داعیان الی اللہ کو ہدایت دی ہوئی تھی۔ مَیں نے سب کو اطلاع دے دی کہ 8 اکتوبر بروز جمعہ کُھلنا مسجد پہنچ جائیں۔

خاکسار روزانہ تہجد میں اپنی شہادت کی دعا کرتا رہا۔ 6 یا 7 اکتوبر کو تہجد کے دوران سجدہ میں دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ! مجھے شہید ہونے کا موقعہ دے۔ اچانک خیال آیا کہ مَیں اپنے لئے دعا کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ خدا کو میری شہادت منظور نہ ہو۔ سجدہ میں خیال آیا اور سجدہ میں ہی دعا کی کہ اگر میری شہادت منظور نہیں تو ایسے لوگ پیدا کر دے جو شہید ہونے پر تیار ہوں۔ مجھے صحیح یاد نہیں کہ 6 یا 7 اکتوبر کی یہ دعا تھی۔

8 اکتوبر کو جمعہ کے خطبہ کے دوران مسجد کے اندر پہلے سے نصب کیا ہوا بم (Bomb) دھماکہ ہو گیا۔ خاکسار محراب میں جمعہ کا خطبہ پڑھ رہا تھا۔ ساتھ ہی بجلی کا Switch board نصب تھا۔ مَیں نے دھماکہ کی آواز سن کر فوری طور پر خیال کیا

کہ بجلی کے Switch board میں کچھ ہوا ہو گا۔ مَیں نے دیکھا کہ مَیں گرا ہوا ہوں۔ چلاّیا، زور سے چلاّیا مگر کوئی مدد کے لئے نہیں آیا۔ پھر مجھے خوف ہوا کہ اگر یہاں اسی طرح گرا رہا تو موت واقع ہو سکتی ہے۔ معلوم نہیں کیا ہوا جلدی سے سینہ کے بل گھسٹتا ہوا مسجد سے باہر آیا۔ مَیں نے خیال کیا کہ بہت تیزی سے پھسل کر باہر آیا جیسے تیل پر سے پھسل کر آیا۔ غالباً مسجد خون سے بھری ہوئی تھی۔ جب مسجد کی سیڑھی سے اسی طرح سینہ کے بل پھسل کر اُترنے لگا، تب دیکھا کہ میرا ایک پاؤں ٹانگ کے ساتھ لٹک رہا ہے۔ یعنی کٹا ہوا حصہ صرف جلد کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ جب میں باہر آیا تو دو خدام مجھے اُٹھا کر مسجد سے باہر راستہ پر لائے اور سائیکل رکشہ پر دونوں مجھے بٹھا کر بڑی سڑک پر لائے۔ یہاں ایک موٹر کار کھڑی تھی۔ ان کو کہا کہ مجھے گاڑی پر بٹھا کر ہسپتال پہنچائیں۔ لیکن کار والا راضی نہ ہوا۔ پھر ایک van گاڑی ملی اور مجھے لے کر بس کے اڈے کی طرف روانہ ہوئے۔

راستہ میں ایک بس ملی جو بڑے بَس اسٹینڈ کی طرف جا رہی تھی۔ بس کے اندر فرش پر مجھے لٹا دیا گیا۔ بَس اسٹینڈ پر آکر بس رک گئی۔ تب بَس سے نکال کر مجھے ایک قسم کی موٹر گاڑی میں ڈال دیا۔ جنرل ہسپتال جانا تھا۔ بالآخر ہم جنرل ہسپتال پہنچ گئے۔ ہسپتال میں کوئی بھی نہیں ملا جو مجھے ہسپتال میں داخل کرے اور میڈکل Aid دے، یا کوئی دوائی دے۔ ہمارے خدام مجھے ہسپتال کے برآمدے میں ننگے فرش پر چھوڑ کر چلے گئے۔ کیونکہ ان کو فکر تھی کہ مسجد میں بہت بڑا بم دھماکہ ہوا ہے۔ معلوم نہیں وہاں کیا ہو رہا ہو گا۔

مجھے شروع میں کچھ معلوم نہیں تھا کہ کیا ہوا۔ آہستہ آہستہ سنتا گیا کہ کیا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ بم دھماکہ ہوا ہے۔ دو نوجوان (1) جہانگیر حسین اور (2) نور الدین موقع پر ہی شہید ہو گئے ہیں۔ اُس کے بعد آہستہ آہستہ معلوم ہوتا گیا کہ اَور دو شہید ہوئے۔ اور بعد میں معلوم ہوا کہ مکرم عبد السبحان موڑل جنہیں عام طور پر سبحان موڑل کہتے تھے، مکرم محب اللہ، مکرم ڈاکٹر عبد الماجد، مکرم جی ایم اکبر علی صاحب شہید ہو گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مَیں برآمدے میں ننگے فرش پر پڑا رہا۔ بم دھماکہ کے بعد سے مغرب تک یعنی غروبِ آفتاب تک مَیں اسی طرح پڑا رہا اور بے ہوش نہیں ہوا۔ غشی طاری نہیں ہوئی۔ کوئی یقین کرے یا نہ کرے مجھے کوئی درد یا تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ عام طور پر ذرہ سا زخم آجائے تو جسم میں ضرور درد ہوتا ہے۔ لیکن میرا ایک پاؤں کٹا ہوا جسم کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ پیٹھ پر دو زخم تھے۔ بائیں پاؤں پر زخم تھے۔ خون بھی ضرور بہتا رہا ہوگا، مجھے یاد نہیں۔ لیکن ذرہ بھر درد نہیں تھا۔ کوئی پریشانی نہیں ہو رہی تھی۔ مجھے پوری طرح اطمینان تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ یہ تو ہونا ہی تھا۔ درمیان میں خیال آتا رہا کہ میری موت ہو سکتی ہے۔ دعائیں کرتا رہا، درود شریف بہت پڑھ رہا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے سے علم ہوا تھا کہ درود شریف بہت پڑھنا چاہیئے۔ جس وقت خیال آتا کہ موت آسکتی ہے اُس وقت افسوس ہوتا رہا کہ کچھ عرصہ پہلے اچھی طرح علم ہوا تھا کہ زیادہ درود پڑھنا چاہیئے اور زیادہ درود پڑھنا شروع بھی کیا تھا اس کے بعد زیادہ وقت نہیں گزرا۔ اب اگر فوت ہو جاؤں تو افسوس رہے گا کہ زیادہ عرصہ زیادہ درود پڑھ نہیں سکا۔

سورج غروب ہونے سے پہلے ہماری ایک واقف بہن (ہیرون صاحب کی بیوی) دیکھنے کے لئے آئی۔ کہنے لگی کہ کیا مدد کر سکتی ہوں۔ میَں نے کہا کہ اگر آپ Arnica CM (ایک لاکھ طاقت کی) لا سکتی ہیں تو لا کر مجھے پلا دیں۔ ڈاک بنگلہ موڑ پر ہومیو پیتھی کی ایک بڑی دکان ہے۔ جمعہ کا روز تھا۔ معلوم نہیں دکانیں کھلی ہوں یا نہیں۔ مجھے معلوم نہیں ہوا کہ کب اس بہن نے دوائی لا کر میرے منہ میں ڈالی۔ لیکن بعد میں مجھے بتایا گیا تھا کہ اُنہوں نے دوائی لا کر مجھے پلا دی تھی۔

شام ہو گئی، سورج غروب ہو گیا۔ اس کے بعد کسی وقت میَں بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ معلوم نہیں۔ رات بارہ یا ایک بجے کسی وقت مجھے ہوش آئی تو دیکھا کہ ہم سب جتنے زخمی تھے سب ایک بڑے ہال میں ہیں۔ مؤذن ممتاز صاحب بہت چلاّ رہے ہیں۔ میَں نے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ کہنے لگے مربی صاحب بہت درد ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر میَں سو گیا۔ بعد میں سنا ہے کہ شام سات یا آٹھ بجے مجھے دوائی وغیرہ یعنی Treatment دی گئی تھی۔ اگلے روز دوپہر کو مجھے ایک Ambulance میں ڈال کر ڈھاکہ لانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ میری اہلیہ کی چھوٹی خالہ مکرمہ صادقہ مسرت اور اُن کے چھوٹے بیٹے بلال احمد توشر مجھے ڈھاکہ لے جانے کے لئے آئے تھے۔ میری Ambulance میں وہ بیٹھے تھے۔ جماعت نے ہی انتظام کیا تھا تاکہ مجھے اَور جو زیادہ زخمی ہیں ان سب کو ڈھاکہ میں اچھے ہسپتال میں داخل کریں۔ خاکسار اور چھ شدید زخمیوں کو C.M.H. فوجی ہسپتال میں داخل کرنا تھا۔ باقی چھ کو تو C.M.H. لے گئے۔ میَں نے کہا کہ نہیں میَں نے ڈاکٹر روح الحق صاحب کے پرائیویٹ ہسپتال Trauma Center

میں جانا ہے۔ دو سال پہلے میرا ایک آپریشن اسی ہسپتال میں ہوا تھا۔ مَیں نے ضرور یہاں جانا ہے۔ ڈاکٹر روح الحق صاحب بعد میں عوامی لیگ کی حکومت میں Health Minister بنے۔ مشہور Orthopedic Surgeon ہیں۔ مریضوں کی باتیں ہمدردی سے سنتے تھے۔ چنانچہ خاکسار Trauma Center میں داخل ہوا۔

ہسپتال میں شروع میں آپریشن کرکے میرا دایاں پاؤں کاٹ کر پھینکنا پڑا۔ شروع میں جب ایک دو دفعہ زخم میں دوائی لگائی گئی تو سخت تکلیف ہوئی۔ بالکل تازہ زخم پر جب Povisep لگایا گیا تو ایسا معلوم ہوا کہ آگ لگادی گئی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ صبر آگیا۔ اس کے علاوہ پرائیویٹ ہسپتال ہونے کی وجہ سے جب تکلیف ہوتی تھی تو فوراً ایک صاحب آکر دوا دیتے تھے۔

شروع میں میرے کمرے (Cabin) میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی جماعت کے ہزاروں احباب دیکھنے کے لئے آتے رہے۔ شیشہ کی کھڑکی سے دیکھ کر چلے جاتے تھے۔ احباب جماعت نے اس قدر محبت کا اظہار کیا کہ بیان سے باہر ہے۔ مَیں ہمیشہ شکر گزار ہوں۔ حضرت خلیفہ المسیح الرابعؒ بہت توجہ فرماتے رہے۔ ہومیوپیتھی دوائی باقاعدگی سے دی جاتی رہی۔ بعد میں آہستہ آہستہ علم ہوتا رہا۔ میرے ساتھ میری بیوی اور چھوٹا بیٹا نوید الرحمٰن اس وقت بہت چھوٹا تھا ہسپتال میں رہے۔ ڈاکٹر خالہ صادقہ حق صاحبہ کا چھوٹا بیٹا بلال احمد ہمہ وقت خدمت پر مامور رہا۔ احمدی گھروں سے کھانا آتا تھا۔ جزاھم اللہ۔

شروع میں بہت طاقتور Pain killer کی وجہ سے درد نہیں ہوتی تھی۔ لیکن بعد میں جب pain killer بند کر دی گئی بہت کم کر دی گئی تو شدید کمزوری اور تکلیف شروع ہوگئی تھی۔ ایک، دو روز تو ایسا ہوتا رہا کہ بار بار کمزوری کے دورے پڑتے تھے کہ یوں لگتا تھا کہ ابھی جان نکل جائے گی۔ بہر حال خدا نے فضل فرمایا آہستہ آہستہ آرام آتا گیا۔ 33 روز کے بعد ہسپتال سے فارغ ہو کر چٹاگنگ مشن ہاؤس یعنی مربی کوارٹر میں آیا۔ الحمدللہ۔

گھر واپس آنے کے بعد بھی شروع شروع میں بہت تکلیف ہوتی رہی۔ آہستہ آہستہ عادت بن گئی اور معاملہ آسان ہوتا گیا۔ شروع میں بیساکھی (Crutches) استعمال کرتا رہا۔ بعد میں مصنوعی ٹانگ لگائی گئی۔ پہلے چار، پانچ مہینہ بہت کمزوری رہی۔ اب یاد آکر تعجب کرتا ہوں کہ دونوں ہاتھوں میں Crutches لے کر مسجد کی دوسری منزل پر سیڑھی چڑھ کر جاتا رہا۔ اب سوچنے سے بھی ڈر ہوتا ہے۔ خدا نے بہت عزت دی۔ اس حادثہ کے صرف تین ماہ بعد ڈھاکہ جلسہ سالانہ پر دونوں بازو یعنی بغل میں Crutches پر سہارا لے کر تقریر کرنے کا موقعہ ملا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ۔

مجھے یاد ہے کہ مَیں نے اس تقریر کے آخر پر اہلِ وطن کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ "اے ہم وطنو! یہ خیال مت کرو کہ قادیانی مسجد میں بم (Bomb) سے حملہ گیا گیا ہے۔ ہمیں فکر کی کیا ضرورت ہے۔ یاد رکھو! یہ آغاز ہے اب آئندہ دیکھو گے کہاں کہاں کتنے بم گرائے جاتے ہیں"۔ تاریخ گواہ ہے کہ اخبارات میں رپورٹ شائع شدہ ہے کہ

کتنے بم مختلف مقامات پر گرائے گئے ۔ اتنے بم گرائے گئے ہیں کہ کوئی گن نہیں سکتا۔ احباب جماعت کی دعائیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی دعائیں اور ہومیو دوائی نے کام کیا کہ مَیں پوری طرح صحت مند ہوں۔ بعد میں ہمارے ملک میں بہت بم دھماکے ہوئے۔ کتنے لوگ زخمی ہوئے حساب نہیں۔ اُن کا حال پوچھنے والا کوئی نہیں۔ کبھی کبھی ٹیلی ویژن پر انٹرویو دیکھتا ہوں جن کو بم دھماکہ کے Splinter لگے ہیں۔ وہ بہت تکلیف میں ہیں ۔ ہم جتنے بھی زخمی ہوئے ہیں بعد میں سب کو آرام آگیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ بعض کو نقصان ہوا۔ مثلاً عبد الرزاق صاحب کی ایک آنکھ اور پاؤں کا ایک حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ عمر فاروق صاحب کو بہت دیر تک تکلیف رہی لیکن پھر بعد میں آرام آگیا تھا۔ الحمد للہ۔ عمر فاروق صاحب کا زندہ رہنا بہت بڑا معجزہ ہے۔ سانس کی نالی کٹ گئی تھی۔ مصنوعی طور پر لمبا عرصہ سانس کا انتظام کیا گیا تھا۔ بالآخر آرام آگیا تھا۔

جس طرح جس طریق پر بم رکھا گیا تھا اور بم Blast ہوا ہماری اکثریت کی شہادت یقینی بنائی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے زبردست نشان دکھایا کہ صرف سات شہید ہوئے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو تاریخِ احمدیت میں پہلی دفعہ ظہور میں آیا۔ یعنی پہلی دفعہ ہماری مسجد میں بم دھماکہ کیا گیا۔ احمدیوں پر ظلم تو شروع سے کیا جارہا ہے۔ ہر زمانہ میں ظلم وجَور ہو تا رہا ہے۔ لیکن مسجد میں نماز کے دوران بم دھماکہ پہلی دفعہ ہوا۔ 1974ء کے بعد پاکستان میں احمدیوں پر گولیاں کئی دفعہ برسائی گئیں۔ لیکن ٹائم بم کا مسجد میں پہلی دفعہ دھماکہ کیا گیا۔

دوسری یہ بات بھی پہلی دفعہ دیکھی گئی کہ بم دھماکہ کے واقعہ کو فوری طور پر یورپ، امریکہ کے اور دنیا کے ریڈیو اور TV پر نشر کیا جانے لگا۔ اخبارات میں شائع کیا گیا اور کافی تشہیر ہوئی۔ اس سے پہلے پاکستان میں 1974ء سے اتنا کچھ ہوتا رہا اور اب بھی ہو رہا ہے۔ لیکن باہر کی دنیا کو ریڈیو، TV پر خبر نہیں دی جاتی رہی۔ ہمارے اس واقعہ سے ساری دنیا میں احمدیت کا نام روشن ہوا۔ جماعت احمدیہ بنگلہ دیش کا نام بہت روشن ہوا۔ ہماری جماعت احمدیت سے اور خلافت احمدیہ سے اخلاص اور محبت رکھتی ہے۔

بم دھماکہ کے ایک یا دو روز بعد جب بھی مجھے ہوش آئی میَں نے دعا کی کہ "یا اللہ! ہماری ان شہادتوں کے ثواب کے طور پر سب سے پہلے ہمارے دل و جان سے پیارے امام حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو صحت و تندرستی اور لمبی عمر عطا فرما"۔ اس کے بعد بنگلہ دیش میں احمدیت کو ترقیات عطا فرما۔ یا اللہ! میَں تو حضور انور کا نمائندہ ہوں۔ یہ جماعت میری جماعت ہے۔ میَں اِن سے محبت کرتا ہوں اور یہ جماعت اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتی ہے۔ حضرت امیر المومنین سے محبت کرتی ہے۔ میری دعا قبول فرما۔ حضور کو صحت و تندرستی والی لمبی عمر عطا فرما۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسی دعا کی توفیق عطا فرمائی تھی۔ فالحمدللہ۔

جمعہ کے روز دوپہر کو بم دھماکہ ہوا۔ کُھلنا جماعت کی اکثریت کا تعلق سُندربان جماعت سے تھا۔ شام کو بی بی سی لندن کی بنگلہ نیوز سُن کر اُن کو معلوم ہوا کہ کُھلنا مسجد میں بم دھماکہ ہوا ہے اور کئی شہید ہو گئے ہیں۔ اور یہ خبر سنتے ہی وہ لوگ رات کو ہی ہمیں دیکھنے آئے۔ دو سال بعد کسی تقریب میں خاکسار کُھلنا مسجد میں گیا تھا۔ دوستوں نے مجھے

دکھایا اور کہا کہ کس جگہ پر ایک خوبصورت پیکٹ میں بم رکھا گیا تھا۔ جمعہ کی نماز میَں نے پڑھائی تھی اور جس جگہ میَں نے کھڑا ہونا تھا اس سے قریباً تین فٹ دور وہ پیکٹ رکھا ہوا تھا۔ اگر ہم نماز میں ہوتے تو خاکسار کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جاتا اور پہلے دو یا تین صف کے اکثر نمازی شہید ہو جاتے۔

ہمارے کُھلنا کے احمدی میجر ناصر احمد دیدار صاحب جو بعد میں کرنل ہوئے انہوں نے اپنے ایک دوست میجر کو جو بم کے ماہر تھے موقع دکھا کر بم کے بارہ میں پوچھا تھا۔ اس ماہر میجر نے بتایا کہ یہ بم ایسا تھا کہ پھٹنے کے بعد اُوپر کی طرف پھیل جاتا ہے۔ یعنی زمین سے اُوپر جا کر پھیلتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم نماز کے قیام میں ہوتے تو زیادہ تباہی پھیلنی تھی۔ سب لوگ بیٹھے بیٹھے خطبہ سن رہے تھے اس لئے کم شہادتیں ہوئیں اور یہ بھی کہ بم جو Blast ہوا تو اس کا ایک بڑا حصہ مسجد کی دیوار توڑ کر باہر چلا گیا تھا۔ کچھ حصے نے مسجد کے اندر تباہی پھیلائی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب سب سے اہم بات یہ ہے کہ جب بم پھٹا تو لوگ خطبہ سن رہے تھے۔ نماز میں قیام کی حالت میں نہ تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ خاکسار عام طور پر کم و بیش چالیس منٹ کا خطبہ دیتا تھا۔ لیکن اس روز ایک شخص نے بیعت کرنی تھی۔ بیعت فارم پُر ہو چکے تھے۔ نماز کے بعد بیعت کے الفاظ پڑھنے تھے۔ خطبہ کے آخر میں بیعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے خاکسار تھوڑا جذباتی ہو گیا۔ بیعت کیا ہے؟ ایک قسم کی موت ہے۔ بیعت کے ذریعہ دنیوی زندگی پر موت وارد ہوتی ہے اور اس طرح روحانی اور پاک زندگی حاصل ہوتی ہے۔ بیعت کی وجہ سے بیعت کنندہ کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس طرح

خطبہ کچھ لمبا ہو گیا تھا۔ میں محراب کے اندر کھڑا تھا اور میرے دائیں ہاتھ پختہ piller تھا اور سامنے ڈائس تھا۔ ورنہ خطبہ اگر لمبا نہ ہوتا تو ہم نماز میں ہوتے اور خاکسار نماز پڑھا رہا ہوتا تو بم میرے سامنے ہوتا اور میرے قریب ترین ہوتا اور درمیان میں کوئی روک نہ ہوتی۔ عموماً مجھے خطبہ لمبا کرنے کی عادت نہیں تھی۔ یہ صرف اور صرف خدا کا کام تھا کہ خلاف عادت خطبہ کچھ لمبا ہو گیا۔ ورنہ خدا جانے ہم کتنے لوگ شہید ہو جاتے۔

ہسپتال میں اور بعد میں بھی ایک عرصہ تک سخت ذہنی کمزوری رہی۔ اخبار میں یا TV پر خطرناک حادثہ کی خبر یا تصویر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کچھ دنوں بعد حضور انور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں خط لکھنے کے قابل ہوا تھا۔ قریباً 3،4 صفحات پر مشتمل خط لکھا۔ بم دھماکہ سے قبل جو شہادت کے لئے دعائیں کرتا تھا اور دھماکہ سے ایک روز قبل جو دعا کی یہ سب لکھا اور یہ بھی لکھا کہ ناصر آباد کی مخالفت میں شدت اور اس میں کمی نہ آنے کی وجہ سے شہادت کی دعا کرنے لگا تھا۔ یہ سب لکھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس مخالفت کی بنا پر اور مخالفت کی شدت میں کمی نہ آنے کی وجہ سے ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ہمارے محترم امیر صاحب کو لکھا تھا کہ معلوم ہوتا ہے وہاں بعض دوست بہت زیادہ نیک ہیں۔ معلوم کریں ورنہ اتنی مخالفت کیوں ہو رہی ہے! میرے اس خط کے جواب میں حضورؒ نے مجھے جو تاریخی خط تحریر فرمایا تھا اس خط کو یہاں شامل کرتا ہوں۔

حضور انورؒ نے لکھا:

لندن 29/11/1999

پیارے عزیزم امداد الرحمٰن صدیقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط پڑھ کر تسلی ہوئی۔ شہادتوں کا ہونا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ قرون اولیٰ کے صحابہؓ کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا احسان ہے کہ انہوں نے اس زمانہ میں احمدیوں میں محبت اور اتفاق کا پھر جذبہ اُجاگر فرمادیا ہے۔ آپ نے اس کا پاک نمونہ دکھایا ہے اور خود مشاہدہ کیا ہے۔ میں تو پل پل کی خبر سے آگاہ تھا اور خدا کے حضور آپ لوگوں کے لئے دعا کر رہا تھا۔ اللہ نے توفیق دی احمدیوں نے پاک نمونہ پیش کیا۔ مبارک ہیں وہ جو خدا کی راہ میں شہید ہوئے۔ اللہ ان شہید زندوں کے صدقہ دنیا کے مردے زندہ کرے اور آپ کا علاقہ احمدیت کے نور سے مہک اٹھے۔ میری طرف سے اپنے گھر والوں اور شہیدوں کے ورثاء کو بے حد سلام کہیں۔ اللہ ان سب کا حامی وناصر ہو اور سب خدا کے محبوب ٹھہریں۔

والسلام

خاکسار

دستخط

مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

لندن
29.11.99

پیارے عزیزم امداد الرحمٰن صدیقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط پڑھ کر تسلّی ہوئی۔ شہادتوں کا ہونا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ قرونِ اولیٰ کے صحابہؓ کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا احسان ہے کہ انہوں نے اس زمانہ میں احمدیوں میں محبت اور اتفاق کا یہ جذبہ اُجاگر فرما دیا ہے۔ آپ نے اس کا پاک نمونہ دکھایا ہے اور خود مشاہدہ کیا ہے۔ میں تو پل پل کی خبر سے آگاہ تھا اور خدا کے حضور آپ لوگوں کیلئے دعا کر رہا تھا — اللہ نے توفیق دی احمدیوں نے پاک نمونہ پیش کیا۔ مبارک ہیں وہ جو خدا کی راہ میں شہید ہوئے۔ اللہ اُن شہید زندوں کے صدقہ دنیا کے مُردے زندہ کرے اور آپ کا علاقہ احمدیت کے نور سے مہک اٹھے۔

میری طرف سے اپنے گھر والوں اور شہیدوں کے ورثاء کو بے حد سلام کہیں۔

اللہ ان سب کا حامی و ناصر ہو اور سب خدا کے محبوب ٹھہریں۔ والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

الحمد للہ

چٹاگنگ میں میرا آخری دور

کُھلنا مسجد بیت الرحمٰن میں بم دھماکہ کی خبریں چٹاگنگ کے اخبارات میں بھی بہت شائع ہوتی رہیں۔ پہلے روز تو ایک روزنامہ نے لکھ دیا کہ "امام مولانا امدادالرحمٰن وفات پا گئے ہیں"۔ یہ پڑھ کر میرے بچوں کے سکول کے طلباء تعزیت کے لئے آئے تھے۔

خاکسار ہسپتال سے واپس آیا تو ہمارے علاقہ کے بعض معززین مجھے ملنے کے لئے آئے اور بہت ہمدردی کا اظہار کیا۔ علاج کے بارہ میں پوچھا۔ جماعت نے جس طرح میرا علاج کروایا معلوم کر کے یہ لوگ جماعت کی تعریف کرنے لگے۔

دایاں پاؤں کاٹے جانے کے بعد شروع میں کئی مہینہ تک بہت تکلیف ہوتی رہی۔ جسمانی کمزوریاں بھی بہت زیادہ تھیں اور کئی قسم کی تکالیف بھی تھیں۔ پیٹ خراب رہتا تھا۔ دو ماہ تک گھر سے باہر کہیں نہ جا سکا۔ Crutches کے سہارے اُٹھنا بیٹھنا تھا۔ آہستہ آہستہ آسانی پیدا ہوتی گئی۔ مکان سے باہر دفتر اور تبلیغی کمرہ میں جا کر دوستوں سے اور آنے والے لوگوں سے باتیں کرنے لگا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد مسجد میں بھی جانے لگا۔ آج یاد کر کے حیران ہوتا ہوں کہ Crutches کے سہارے عمارت کی دوسری منزل پر مسجد میں سیڑھیاں چڑھ کر جاتا رہا۔ اب یاد آئے تو ڈر لگتا ہے کہ کس طرح سیڑھیاں چڑھتا تھا۔

قریباً سال بعد نقلی پاؤں یعنی مصنوعی ٹانگ لگوائی، جس کو ڈاکٹر Prosthetic Leg کہتے ہیں۔ شروع میں اچھا پاؤں نہیں بن رہا تھا۔ مختلف جگہوں سے بنواتا رہا۔ آخر میں چٹاگنگ سے Cox'sBazar سڑک پر Dulahajara کے مقام پر ایک امریکن ہسپتال میں جاکر دیکھا کہ یہاں اچھا پاؤں بنتا ہے۔ وہاں سے اچھا پاؤں بنوایا۔ الحمد للہ۔ اب تو نماز پڑھ سکتا تھا۔ دوستوں کے کہنے پر نماز پڑھانا بھی شروع کر دی تھی۔

جلسہ سالانہ یوکے 2002ء کے موقع پر خاکسار کو لندن جانے کا موقع ملا۔ اس سے پہلے کینیڈا سے محترم مولانا نسیم مہدی صاحب اور چوہدری منیر احمد صاحب مربی سلسلہ مجھے پوچھتے رہے "کیا حال ہے۔ کیا مشکل ہے۔ ہمارے لائق کوئی خدمت؟" خاکسار نے بتایا کہ جلسہ سالانہ پر لندن جارہا ہوں۔ انہوں نے محترم ڈاکٹر حمید الرحمٰن صاحب امیر جماعت لاس اینجلیس سے گذارش کی کہ آپ لندن جلسہ پر جارہے ہیں تو امداد الرحمٰن کو ضرور دیکھیں۔ جلسہ کے بعد ڈاکٹر حمید الرحمٰن صاحب مجھے دیکھنے آئے۔ دیکھ کر کہا کہ بہت اچھی طرح آپریشن کر کے میرا پاؤں کاٹا گیا ہے۔ مصنوعی ٹانگ (Prosthetic Leg) لگوانا بہت آسان ہو گا۔ ڈاکٹر حمید الرحمٰن صاحب کسی زمانہ میں لندن کوئین میری ہسپتال (Queen Mary's Hospital) میں سروس کرتے رہے ۔ اُنہوں نے کوئین میری ہسپتال کے Rehabilitation Center کے ساتھ رابطہ کر کے میرے لئے بہت اچھی Below Knee Prosthetic leg لگوانے کا انتظام کروادیا۔ ہمارے اصرار کے باوجود انہوں نے خود ہی payment کر دی تھی۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

اب لندن سے واپس آکر دوبارہ تازہ دم اور زندہ دل ہو گیا۔ دوبارہ کام شروع کیا۔ سفر پر جانا ہو تو سوچنا پڑتا تھا کہ وہاں کا Toilet میرے قابل استعمال ہے یا نہیں۔ اور کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ اب تو مَیں نمازیں پڑھا سکتا تھا۔ دوبارہ خطبہ جمعہ اور نماز پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ مجھے ذاتی طور پر پڑھانے کا شوق نہیں تھا۔ لیکن دوستوں کا اصرار تھا کہ مَیں پہلے کی طرح جمعہ کا خطبہ وغیرہ دیا کروں۔ الحمد للہ سب ٹھیک چل رہا تھا۔ لوگ آتے تھے۔ تبلیغی مجالس ہوتی رہیں۔ پورے زور و شور سے جماعتی خدمات سرانجام دینے لگا۔ الحمد للہ۔

Mahilla گاؤں میں نئی جماعت کا قیام

2002ء کے آخر پر چند ایک بیعتیں ایسی ہوئیں کہ مارچ 2003ء میں ضلع Rangamati علاقہ Baghai Chari کے Mahilla گاؤں میں ایک نئی جماعت قائم ہو گئی۔ الحمد للہ۔

Mahillah کے کچھ لوگ چٹاگنگ شہر میں رہتے تھے۔ اُن میں سے نور الزمان صاحب بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے۔ ان کو دیکھ کر ایک بہن رابعہ صاحبہ اور ان کا بھائی بدرالعالم صاحب ہمارے پاس آئے۔ رابعہ صاحبہ اور بدر العالم صاحب کے والد ریاض الدین صاحب شریف آدمی اور علاقہ میں صاحبِ حیثیت آدمی ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ Mahilla سے اور بہت سے لوگ احمدیت جاننے کے لئے یہاں آنا چاہتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ سَو بسم اللہ! ضرور آئیں۔ جلسہ سالانہ چٹاگنگ مارچ 2003ء

پر Mahilla سے پینتیس (35) افراد آئے اور دو دن رہے۔ ان میں سے 28 افراد نے احمدیت قبول کر کے بیعت کر لی۔ الحمدللہ۔

Mahillah چٹاگنگ سے بہت دور پہاڑی علاقہ ہے۔ اس زمانہ میں اچھا راستہ نہیں تھا۔ کافی دور بَس پر پھر کشتی پر جانا ہوتا تھا۔ بارش ہو جائے تو بہت کیچڑ ہو جاتا تھا۔ میَں تو ایک پاؤں سے معذور تھا اس لئے وہاں نہیں جا سکا۔

اس علاقہ میں پہاڑی قومیں آباد ہیں۔ ملک کے مختلف علاقوں سے بہت سے بنگالی جا کر آباد ہوئے ہیں۔ وہاں پولیس اور فوج دونوں ہوتے ہیں۔ ہماری جماعت کی شدید مخالفت شروع ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ مختلف پیروں اور فقیروں کے ماننے والے اور مختلف فرقوں کے مولوی صاحبان بھی اُن علاقوں میں گئے ہوئے ہیں۔ احمدیوں پر بہت ظلم و تشدد ہوتا رہا۔ بد قسمتی سے بعض پولیس اور فوجی افسر بھی ہمارے خلاف براہِ راست مخالفت میں شامل ہو گئے۔ چٹاگنگ سے خدام وہاں جاتے رہے۔ چنانچہ پہلے ڈیڑھ، دو سال احمدی بہت ظلم برداشت کرتے رہے۔ ہم نے بانس اور ٹین شیڈ کی مسجد بھی بنانے کی کوشش کی لیکن مخالفین نے تعمیر روک دی۔

بہت بعد میں انتہائی مخلص نوجوان عین الحق صاحب نے گھر میں اپنی والدہ صاحبہ سے بات کی۔ ان کی والدہ نے بہت اخلاص اور قربانی کا مظاہرہ کیا۔ اپنے رہائشی مکان کی زمین مسجد کے لئے وقف کر دی۔ عین الحق صاحب نے والدہ کے مکان کو دوسری جگہ منتقل کیا اور اس جگہ مسجد بنائی اور ساری جماعت نمازیں پڑھتی رہی۔ آہستہ آہستہ ظلم کم ہوتا رہا۔

چند سال بعد محترم نیشنل امیر صاحب نے توجہ فرمائی۔ پھر آہستہ آہستہ جماعت کی ترقی ہونے لگی۔ اب تو وہاں ''جنگل میں منگل''یعنی جنگل میں خیر و برکات کا دَور شروع ہو گیا ہے۔ الحمدللہ۔

خاکسار نے مارچ 2003ء کی رپورٹ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں Mahilla کی نئی جماعت کا ذکر کیا۔ جواب میں ایڈیشنل وکیل التبشیر صاحب لندن کا خط ملا کہ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا اور مبارک باد دی ہے۔ الحمد للہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

AHMADIYYA MUSLIM FOREIGN MISSIONS OFFICE

INTERNATIONAL HEADQUARTERS RABWAH, PAKISTAN

London Office: 16 Gressenhall Road, London SW18 5QL, U.K. Telephone: 020 8870 6134
Cabels: Islamabad London, Fax: 020 8870 1095

Ref: T 6225
12. 4. 03

مکرم محترم محمد امداد الرحمٰن صدیقی صاحب مبلغ چٹاگانگ بنگلہ دیش

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی طرف سے ماہ مارچ 2003ء کی تبلیغی و تربیتی مساعی کی رپورٹ سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں موصول ہوئی۔ آپ نے تحریر کیا ہے کہ اس ماہ کل (69) بیعتیں عطا ہوئی ہیں۔ ماشاء اللہ۔ الحمد للہ۔ بارک اللہ لکم۔ اللھم زد وبارک وثبت اقدامھم۔ آپ نے بتایا ہے کہ BAGHAI CHARI کے مقام پر ایک جماعت قائم ہوئی ہے۔ الحمد للہ۔ بارک اللہ لکم۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو مقبول اور مثمر ثمرات حسنہ خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام
خاکسار
[signature]
نائب ایڈیشنل وکیل التبشیر لندن

Imdadur Rahman siddique sb.
G.T.G.

([illegible] 8009 [illegible] 9018109)

چٹاگنگ میں مربی کوارٹر کی تعمیر

آخر پر اور ایک بات قابلِ ذکر ہے کہ چٹاگنگ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے تین منزلہ بہت خوبصورت مسجد بن گئی تھی۔ لیکن مربی کوارٹر نہیں تھا۔ کسی طرح بانس اور پُرانے ٹین سے بنے ہوئے مکان کا انتظام کیا گیا تھا۔ ٹین پرانا تھا، مکان کے اندر بارش کا پانی گرتا تھا۔ بستر پر پانی گرتا تھا۔ اور دیگر سامان بھی خراب ہوتا تھا۔ محترم مولانا حافظ مظفر احمد صاحب ناظر اصلاح و ارشاد مقامی ربوہ جلسہ سالانہ بنگلہ دیش کے موقعہ پر تشریف لائے تھے۔ ہمارے گھر کا حال دیکھ کر انہوں نے محترم امیر صاحب سے کہا کہ ضرور آپ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں لکھیں۔ چنانچہ محترم امیر صاحب نے لکھا۔ حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فوری طور پر مربی کوارٹر تعمیر کرنا منظور فرمایا۔ امیر صاحب چٹاگنگ محترم ایس اے نظامی صاحب کوارٹر کی تعمیر کے کاموں کی خوب نگرانی فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھا مربی ہاؤس بن گیا۔ مربی کوارٹر میں pipeلائن میں گیسConnectionحاصل کیا گیا۔ مکرم نثار احمد صاحب نے گیس کے Connection حاصل کرنے کے لئے بہت توجہ اور محنت کی۔ میرے زمانہ میں مکرم نثار احمد صاحب خادم تھے۔ جماعت کے تمام کاموں میں بہت اخلاص سے ذاتی محنت اور مالی قربانی بھی کرتے رہے۔ Mahilla جماعت کے آغاز میں نثار احمد صاحب بہت خدمت کرتے رہے۔ خود بھی خدمت کرتے تھے اور دوسروں سے بھی خدمت حاصل کرتے تھے۔ بہت سے خدام طرح طرح کی خدمات بجالاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل

سے اب نثار احمد صاحب جماعت کے امیر منتخب ہوئے ہیں۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین خدمت کی توفیق دے۔

شروع میں مَیں نے مربی کوارٹر کے بارہ میں حضور کی خدمت میں لکھا تھا۔ برادرم محترم مبارک احمد صاحب ظفر وکیل المال نے مجھے کہا کہ آپ مربی کوارٹر کے لئے لکھ رہے ہیں آپ اگر اپنے لئے مکان کی درخواست کریں تو امید ہے کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے مکان بنوا دیں گے۔ مَیں نے برادرم مبارک ظفر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میرے اور میرے بچوں کا اللہ حافظ ہے۔ ہم آخر تک جماعت کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ میرے اور میرے بچوں کے لئے انتظام کرے گا۔ انشاء اللہ۔ مَیں فقیر اور مسکین بن کر جماعت کے مکان میں آخری سانس لینا چاہتا ہوں۔ میرے بچوں کی تعلیم اور شادیوں پر خاص امداد حضرت خلیفہ المسیح الرابعؒ کی طرف سے ملتی رہی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا انتقال اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب

19 اپریل 2003ء ہفتہ کے روز صبح فجر کے بعد کسی وقت حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا انتقال ہوا۔ ہمارے بنگلہ دیش میں بعد دو پہر عصر سے تھوڑا پہلے قریباً 4 بجے ہماری ایک بہن کا فون آیا کہ مربی صاحب M.T.A. لگائیں کوئی ضروری اعلان ہو رہا ہے۔ ان دنوں ہم مسجد سے باہر کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ جلدی سے ٹی وی لگایا۔ محترم منیر احمد جاوید صاحب ضروری اعلان پڑھ رہے تھے کہ سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

سخت صدمہ ہوا۔ یقین نہیں آرہا تھا۔ ابھی گزشتہ شام کو یعنی جمعہ کی شام کو حضور مسجد فضل لندن میں احباب جماعت سے اردو میں سوالات کے جوابات ارشاد فرمار ہے تھے۔ بہت خوش وخرم معلوم ہو رہے تھے۔ بہت مطمئن نظر آرہے تھے۔ سخت خوف محسوس ہونے لگا کہ اب کیا ہو گا۔ پہلے جب ایسا واقعہ پیش آتا تھا تو خلیفۃ المسیح مرکز احمدیت میں قیام فرما ہوتے تھے۔ اب دیار غیر میں یہ حادثہ پیش آگیا۔ لیکن یہ تو بہت پکا یقین تھا کہ خلیفہ وقت کا انتخاب خدا نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ اب ضرور خدا تعالیٰ کا نشان ظاہر ہو گا۔ ہم ایم ٹی اے کے سامنے انتظار میں بیٹھتے رہے۔

ہفتہ کے روز لندن وقت کے مطابق دوپہر 12 بجے دفتر کا وقت ختم ہونے والا تھا۔ تین روز کی رخصت پر ملک کے تمام دفاتر بند ہو رہے تھے۔ لیکن حکومت برطانیہ

نے تمام دنیا کی ایمبیسیز یا ہائی کمشنز کو ہدایت جاری کر دی کہ تمام دنیا سے لندن جانے والے احمدیوں کو ضرور ویزا حاصل کرنے کی سہولت ملنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجلس انتخاب خلافت کے تمام ممبران بآسانی وقت پر مسجد فضل لندن پہنچ گئے۔ 22 اپریل بعد نماز مغرب و عشاء مسجد فضل میں مجلس انتخاب خلافت کا اجلاس منعقد ہوا اور حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب کو خلیفۃ المسیح الخامس منتخب کیا گیا۔ نئے خلیفۃ المسیح کا اعلان ہونے تک قریباً 25 ہزار احمدی مسجد فضل سے باہر سردی میں سڑک کے کنارے بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ بہت سے لوگ کھڑے تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب نے بیعت اور دعا سے پہلے فرمایا ''آپ سب بیٹھ جائیں''۔ لاؤڈ سپیکر سے باہر آواز آرہی تھی سب لوگ جہاں جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ ایسے نظارے پہلے تو قادیان اور ربوہ والے دیکھتے تھے مگر اب ایم ٹی اے کے ذریعہ دنیا نے دیکھے۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم دنیا نے دیکھا کہ خلیفۃ المسیح کی آواز پر احمدی لوگ کیسے لبیک کہتے ہیں۔ اللہ اکبر۔ تمام دنیا کے اکثر احمدیوں نے ایم ٹی اے پر اوّل وقت پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ایم ٹی اے پر Live پروگرام دنیا دیکھ رہی تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا زبردست نشان ساری دنیا نے دیکھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی وفات کی خبر سن کر ساری دنیا کے احمدی دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔ سینکڑوں احمدیوں کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کے ذریعہ بتا دیا کہ کون پانچویں خلیفۃ المسیح بن رہے ہیں۔

خاکسار نے حضورؒ کی وفات کے بعد نئے انتخاب سے پہلے خواب میں دیکھا کہ بیت الفضل کے ساتھ محمود ہال میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی نعش مبارک رکھی ہوئی ہے اور بہت بارش ہو رہی ہے۔ بارش کے ہر قطرے کے ساتھ آسمان سے نور کی بارش ہو رہی ہے۔ پانی کے قطروں کے ساتھ نور ملا ہوا تھا۔

انتخاب خلافت کا یہ پہلا موقع تھا کہ ایسے عظیم شخص مسند خلافت پر متمکن ہو رہے تھے جن کو بہت کم لوگ جانتے تھے۔ مجلس انتخاب خلافت کے بہت سے ممبران بھی انہیں پہلے سے نہیں جانتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر القاء کیا کہ ان کے حق میں اپنی رائے دیں۔

محترم مبشر الرحمٰن صاحب امیر جماعت احمدیہ بنگلہ دیش مجلس انتخاب خلافت کے ممبر تھے۔ جب امیر صاحب واپس آئے اور چٹاگنگ گئے خاکسار نے گزارش کی کہ انتخاب کے موقع پر آپ نے کیا دیکھا ہمیں بتائیں۔ محترم امیر صاحب نے جمعہ کی نماز کے بعد تقریر کی اور بتایا کہ اَور بھی بہت دوست ایسے تھے کہ انتخاب کے وقت جن کے نام تجویز ہوئے ان کو نہیں جانتے تھے۔ کبھی دیکھا بھی نہیں۔ ایک صاحب نے ووٹ سے پہلے صدر مجلس سے درخواست کی کہ جن کے نام تجویز ہوئے ہیں ان کو کھڑے ہونے کے لئے کہا جائے تا کہ ہم ان کو دیکھ لیں۔ چنانچہ صدر مجلس نے ایک ایک کر کے نام کا اعلان کیا اور ان کو کھڑا ہونے کے لئے درخواست کی۔ نام کے اعلان کے ساتھ وہ کھڑے ہوتے گئے۔ ہمارے امیر صاحب مکرم مبشر الرحمٰن صاحب کہنے لگے کہ جو کھڑا ہوتا تھا مَیں سوچتا تھا کہ ان کو ووٹ دوں؟ مگر دل میں آتا تھا نہیں۔ جب حضرت مرزا

مسرور احمد صاحب کھڑے ہوئے تو فوراً میرے دل میں آیا "یہ ٹھیک ہے" اور ہم نے ہاتھ اٹھادیا۔ نتیجے کا اعلان ہوا تو دیکھا کہ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کو سب سے زیادہ ووٹ ملے اور آپ خلیفۃ المسیح الخامس منتخب ہو گئے ہیں۔ الحمدللہ۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ مَیں نے ایک دفعہ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مرحوم سے پوچھا تھا کہ انتخاب خلافت کس طرح ہوتا ہے۔ مولانا ابوالعطاء صاحب نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ممبران کے دلوں میں القاء کرتا ہے۔ بعض کو پہلے بھی خواب میں بتادیا جاتا ہے۔ جس طرح مولانا موصوف نے کہا کہ خلافت ثالثہ کے انتخاب سے پہلے انہیں خواب میں بتایا گیا تھا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث ہوں گے۔ مولانا مرحوم خلافت رابعہ کے انتخاب سے کافی پہلے وفات پا چکے تھے۔

سب سے بڑی بات یہی ہے کہ سب سے پہلے دو خلفاء کرام کا انتخاب اہالیان قادیان اور اس کے بعد کے دو خلفاء کا انتخاب اہالیان ربوہ نے مشاہدہ کئے تھے۔ اور اب پانچویں خلیفہ کا انتخاب ساری دنیا نے مشاہدہ کیا جو کہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا زبردست نشانِ آسمانی ہے۔ احمدیوں کو احمدی ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ وہ بار بار زندہ خدا کے زندہ اور تازہ بتازہ نشانات دیکھتے ہیں۔ اس سے پہلے خلافت ثالثہ کے زمانہ میں کچھ لوگ کہتے رہتے تھے کہ پہلے سے تدبیر کر کے خلافت کا ووٹ حاصل کیا گیا ہے۔ اس کا جواب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ارشاد فرمایا تھا۔ لیکن اب خلیفۃ المسیح الخامس کے انتخاب کے بعد وہ کیا کہیں گے۔ ان کو چاہیے کہ خدا سے ڈریں اور توبہ کریں۔

اس موقع پر یہ ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مَیں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو لمبا عرصہ دیکھتا اور سنتا رہا۔ اس کے بعد خلافت رابعہ کا انتخاب دیکھا۔ آپؒ کا پہلا خطبہ جمعہ سنا اور بعد کے واقعات دیکھتا رہا۔ مَیں ہمیشہ روزنامہ الفضل ربوہ پھر ہفتہ وار الفضل لندن پڑھتا ہوں۔ ایم ٹی اے دیکھتا ہوں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا رمضان المبارک کا درس القرآن ایم ٹی اے پر بالکل شروع سے بلاناغہ سن رہا ہوں۔ جب تک چٹاگنگ میں تھا تو درس سن کر تازہ بتازہ درس کا خلاصہ اگلے روز جماعت کو سناتا رہا ہوں۔ میری کتاب 'خلافت احمدیہ اسلامیہ'(Ahmadiyya Khilafat in Islam) میں حضورؒ کے خطبات سے اہم اقتباسات بھی پیش کیے گئے ہیں۔

جب پیارے امام حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خلیفۃ المسیح الخامس منتخب ہوئے تو آپ کے خطبات توجہ سے سنتا ہوں۔ حضور کیا خاص بات بیان فرماتے ہیں۔ ہر زمانہ میں خلیفہ وقت کی زبان اَور ہوتی ہے۔

میرے خیال میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خاص بات جو بار بار حضور فرماتے رہتے ہیں یہ ہے کہ "حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وعدے ضرور پورے ہوں گے۔"

میرا ناقص فہم یہ ہے کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جیسے پہلے خلفاء کی زبردست نصرت فرماتا رہا ہے آج میری بھی زبردست تائید و نصرت فرمائے گا۔ ہم نے حضور انور ایدہ اللہ کے واشنگٹن امریکہ کے Capital Hill کا زبردست خطاب سنا

اور بڑی دنیانے ضرور سنا ہو گا۔ دنیا کے لیڈر لوگوں نے بھی ضرور سنا ہو گا۔ European Parliament میں حضور کا خطاب اوراسی طرح کینیڈا کا دو دفعہ کا دَورہ جس کی coverage اتنی وسیع طور پر ذرائع ابلاغ نے دنیا بھر میں دی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب خدا خود کروا رہا ہے۔

مجھے معلوم ہے، باخبر دنیا کو معلوم ہے، حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں احمدیت کا پیغام مشرق وسطیٰ اور یورپ امریکہ میں شائع ہو گیا تھا۔ اس کے بعد یہ پیغام ہر دَور میں پھیلتا رہا۔ خلافت ثالثہ کے دَور تک تمام بڑی طاقتوں کو احمدیت کا پیغام پہنچ گیا تھا۔ خلافت رابعہ میں اَور زیادہ پھیلتا گیا۔ اب خلافت خامسہ میں کہنا چاہیے کہ اعلان عام کی طرح ساری دنیامیں احمدیت کا پیغام پھیل گیا ہے۔ اب تو یوکے جلسہ سالانہ، جرمنی جلسہ سالانہ اور دوسرے کئی مواقع پر حضور انور ایدہ اللہ کا خطاب کروڑوں لوگوں تک پہنچتا ہے۔ خاکسار کی ناقص رائے میں حضور انور ایدہ اللہ بظاہر آہستہ بات کرتے ہیں لیکن حضور کی آواز میں خاص اثر ہے جو سامعین کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ ساری دنیا متاثر ہو رہی ہے۔ خاکسار کا خیال ہے کہ یہ حضور انور کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ اب تک جنگ عظیم شروع نہیں ہوئی۔ ورنہ اب تک دنیا بھر میں جنگ تباہی پھیلا رہی ہوتی۔ آج بیعتیں بظاہر تھوڑی ہیں۔ لیکن وہ دن آنے والا ہے جب ہم اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (سورۃ النصر) کا نظارہ ضرور دیکھیں گے۔ انشاء اللہ۔ آج اس کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضور انور کو لمبی عمر دے اور اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ بڑی بڑی کامیابیاں عطا فرماتا جائے۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہم بڑی محبت سے حضور کے خطبات اور خطابات کو سنیں نمازیں پڑھیں اور حضور انور کے لئے دعائیں کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین

خاکسار پر حضور انور کی خاص مہربانیاں

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے انتقال کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے ساتھ مہربانیاں اور خاص عنایات فرمانے لگے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ حضور انور کی مہربانیاں پہلے سے زیادہ ہو گئی ہیں۔ مجھے شروع میں کچھ ڈر تھا کہ میری موجودہ حضور سے پہلے سے واقفیت نہیں تھی۔ معلوم نہیں حضور کیا سلوک فرمائیں گے۔ لیکن آہستہ آہستہ ایسا معلوم ہونے لگا کہ جیسے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ آپ کو پیغام دے گئے ہیں کہ امدادالرحمٰن بہت کمزور ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے 2010ء میں لندن جانے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ لیکن ویزا (Visa) نہیں مل رہا تھا۔ بار بار ویزے (Visa) کی درخواست نامنظور ہوتی رہی۔ اس کے بعد حضور انور نے ازراہِ شفقت مکرم سید منصور احمد شاہ صاحب نائب امیر جماعت احمدیہ یوکے سے فرمایا کہ میرے ویزے کے لئے خاص تدبیر کریں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ویزا مل گیا اور ستمبر 2014ء کو لندن میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقعہ ملا۔ پہلی ملاقات میں ہی حضور انور نے میرے پاؤں کے بارہ میں استفسار

فرمایا۔ میَں نے عرض کی کہ میرے پاؤں میں کچھ تکلیف ہے ، نقلی پاؤں ٹھیک ہے۔ حضورایدہ اللہ نے فرمایا کہ ”نہیں نقلی پاؤں ٹھیک نہیں ہے“۔ چنانچہ لندن سے اچھا نقلی پاؤں بنوانے کا انتظام فرمادیا۔

حضورانورایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہِ شفقت لندن میں میری رہائش اور کھانے پینے کا خاص انتظام فرمایا تھا۔ حضورانور نے انگلینڈ کے تمام بڑے بڑے مشن ہاؤسز دیکھنے کو فرمایا جس سے مجھے بہت خوشی اورایمان میں نئی تازگی حاصل ہوئی۔ 1991ء میں بھی حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے انگلینڈ کے مشن ہاؤسز کا دورہ کروایا تھا۔ اب جب 2014ء میں دورہ کیاتو مَیں دیکھ کر بہت حیران رہ گیا کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو کتنی بڑی بڑی ترقیات عطافرمارہاہے۔

دورہ سے واپس آکر مَیں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ کچھ سال بعد یہ لوگ یہ ملک ہی آپ کے ہاتھ میں دے دیں گے۔ اتنی بڑی بڑی مساجد اور مشن ہاؤسز بن رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جگہیں اور یہ زمینیں احمدیت کی جگہیں بن رہی ہیں۔ قرآن شریف کی پیشگوئی موجود ہے:اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا اَفَھُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ (سورۃالانبیاء: 45) پس کیاوہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کواس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں؟ توکیاوہ پھر بھی غالب آسکتے ہیں؟ دنیا بھر میں ہر سال لاکھوں لوگ احمدی ہورہے ہیں اور اس طرح ان کی زمینیں جماعت کی زمینیں بنتی جا رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے لندن سے جو نقلی پاؤں بنوایا یہ بہت آرام دہ تھا۔ لیکن عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ قریباً دو سال کے بعد پاؤں میں تبدیلی اور تجدید کی ضرورت پڑتی ہے۔

خاکسار نے 2016ء میں پھر حضور انور کی خدمت میں لکھا کہ نقلی پاؤں میں دقت پیدا ہو گئی ہے۔ حضور انور نے فرمایا کہ "لندن آکر پاؤں بنوا لیں"۔ جنوری 2017ء میں پھر لندن جا کر نیا پاؤں بنوایا۔ مجھے بہت شرمندگی ہے کہ نقلی پاؤں بنوانے پر بہت بھاری رقم اس طرح خرچ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے زیادہ سے زیادہ خدمات کی توفیق دے۔

خاکسار کو 2002ء پھر 2014ء اور اس کے بعد 2017ء میں جماعت احمدیہ لندن کو دیکھنے کا موقع ملا۔ خاکسار کی نظر اور نگاہ جہاں تک کام کر رہی ہے لندن کی جماعت کے احباب کے اندر ایک بڑا تربیتی انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔

جہاں تک مَیں نے دیکھا ہے احمدی احباب نے پہلے سے زیادہ نماز اور ذکرِ الٰہی اور اطاعت میں بہت ترقی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی دعاؤں کو بہت قبول فرما رہا ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔ اللہ تعالیٰ حضور انور کو اپنی خاص حفظ و امان میں رکھے۔ عمر دراز فرمائے۔ کَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا۔

جامعہ احمدیہ بنگلہ دیش کا آغاز

جلسہ سالانہ فروری 2000ء پر محترم مولانا راجہ نصیر احمد صاحب ناظر اصلاح و ارشاد بنگلہ دیش تشریف لائے تھے۔ آپ بہت تیز قدم چلنے کے عادی تھے۔ 1970ء میں محترم راجہ صاحب چٹا گنگ میں بطور مبلغ کام کرتے رہے۔ جلسہ سالانہ کے بعد آپ نے مجلس عاملہ سے کہا کہ آپ جماعتی کاموں کو تیز کریں۔ ممبران نے کہا کہ ہم تو اپنی اپنی نوکریاں کرتے ہیں۔ شام کو آکر جماعت کے لئے وقت دیتے ہیں، کام کرتے ہیں۔ جماعتی کام کے لئے زیادہ آدمی نہیں ملتے۔ محترم ناظر صاحب نے تجویز پیش کی کہ جامعہ احمدیہ قائم کریں۔ آئندہ بہت زیادہ واقفینِ زندگی کی ضرورت ہو گی۔ پہلے کی طرح آئندہ صرف اپنی خوشی سے وقت دینے والوں سے سب کام نہیں ہوں گے۔ جماعت نے لبیک کہا۔ محترم ناظر صاحب موصوف نے حضرت خلیفہ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ جماعت کی تجویز کو منظور فرماویں۔ محترم ناظر صاحب نے پرنسپل کے طور پر خاکسار کا نام تجویز کیا۔ حضور رحمہ اللہ نے منظوری فرمادی۔

خاکسار چٹا گنگ میں تھا۔ مجھے تب علم ہوا جب محترم ناظر صاحب نے فون پر مجھے بتایا۔ وہ اس طرح کہ ایک روز مولانا عبد الاول خان صاحب نے فون پر مجھے بلایا۔ میَں نے فون پکڑا تو محترم ناظر صاحب فرمانے لگے کہ یہاں جامعہ کا آغاز ہونے والا ہے۔ آپ کو پرنسپل مقرر کیا جاتا ہے۔ محترم عبد الاول خان چوہدری صاحب سن رہے تھے۔ اسی سال یعنی 2000ء میں جامعہ شروع کرنا ہے۔ خاکسار نے عرض کی کہ میَں تو جسمانی طور

پر بہت کمزور ہوں۔ میرے ساتھ اگر میری بیوی بچوں کے لئے ڈھاکہ میں رہائش کا انتظام کر دیا جائے تو میں یہ ذمہ داری اُٹھا سکتا ہوں۔ اکیلے تو میرے لئے ڈھاکہ میں رہنا بہت مشکل ہو گا کیونکہ ابھی چند ماہ پہلے کُھلنا میں بم دھماکہ سے میرا دایاں پاؤں کاٹا گیا ہے۔ نقلی پاؤں ابھی نہیں لگ سکتا تھا۔ اس وقت تک Crutches پر سہارا لے کر چل سکتا ہوں۔ محترم ناظر صاحب نے کہا تھا کہ ابھی اسی سال جامعہ شروع کرنا ہو گا لیکن عملاً 2002ء میں جامعہ کی ابتدا کے طور پر پہلی کلاس کے لئے لڑکوں کو داخل کیا گیا۔ اور مولانا صالح احمد صاحب کو کلاس انچارج بنایا گیا۔ گو اُس وقت 2002ء میں میرا نقلی پاؤں لگ گیا تھا اور میَں اکیلے ڈھاکہ رہ سکتا تھا۔ چنانچہ 14 طلباء کو لے کر پہلی کلاس شروع کی گئی اور فیصلہ کیا گیا کہ پہلی کلاس جب شاہد پاس کرے گی تب مزید طلباء اگلی کلاس کے لئے داخل کئے جائیں گے۔ اس صورت میں اساتذہ کی کمی محسوس نہیں ہو گی۔ پہلی کلاس کے شاہدین میں سے قابل نوجوان مبلغین استاد بنائے جائیں گے۔ لیکن معلوم نہیں کیا وجہ بنی کہ پہلی کلاس کو تین سال تک مولانا صالح احمد صاحب پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد اُن سب طلباء کو مبشر مربی بنا دیا گیا اور کلاس بند کر دی گئی۔ اور یہ کلاس شاہد تک نہیں پہنچائی گئی۔

خاکسار کا بیٹا عزیزم انعام الرحمٰن ناصر زندگی وقف کر کے جامعہ احمدیہ میں پڑھنا چاہتا تھا۔ انعام الرحمٰن نے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں درخواست دی کہ اگر حضورؒ کی اجازت ہو تو پاکستان جا کر جامعہ احمدیہ ربوہ میں داخلہ کی کوشش کر سکتا ہوں ۔ میری پیدائش ربوہ کی ہے اور ایڈووکیٹ مجیب

الرحمٰن صاحب راولپنڈی میری والدہ کے ماموں ہیں۔ امید ہے کہ پاکستان کا ویزا مجھے مل جائے گا۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے پہلے استفسار فرمایا کہ انعام الرحمٰن اتنے سال والدین کو چھوڑ کر اکیلا رہ سکے گا؟ انعام الرحمٰن نے اور ہم نے لکھا کہ انشاء اللہ رہ سکے گا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کینیڈا جامعہ میں داخل ہونے کی کوشش کرے۔ مولانا فیروز عالم صاحب نے مجھے بتایا کہ حضور انور نے انعام الرحمٰن کی درخواست کو پڑھ کر فوری طور پر ایسا فرمایا تھا کہ کینیڈا جامعہ میں داخل ہونے کی کوشش کرے۔

محترم مولانا مبارک احمد نذیر صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ کینیڈا نے ٹیلیفون پر انعام الرحمٰن کا امتحان لیا۔ تلاوت، نظم سنی اور سوالات کئے اور جامعہ میں داخلہ کے لئے اور ویزے کے لئے ضروری کاغذات بھجوائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضور کی دعا سے انعام الرحمٰن کو کینیڈا جامعہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے ویزا مل گیا۔ اور وہ 2005ء میں کینیڈا جاکر جامعہ احمدیہ میں داخل ہو گیا۔ اب تو وہ وہاں بطور مبلغ و مربی سلسلہ خدمت کر رہا ہے۔ الحمد للہ۔

اکتوبر 2005ء میں مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع پر بعض خدام انعام الرحمٰن کو تلاش کرتے رہے۔ ان کو معلوم ہوا کہ انعام الرحمٰن کینیڈا جامعہ میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ خبر سن کر ڈھاکہ سے بعض واقفینِ نو نوجوانوں نے حضور انورؒ کی خدمت میں لکھنا شروع کیا کہ حضورؒ ہمیں بھی کینیڈا جامعہ میں جاکر داخل ہونے کی اجازت دیں۔ بعض نے لکھا کہ یوکے جامعہ میں جانے کی اجازت دیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح

الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے محترم مبشر الرحمٰن صاحب امیر جماعت بنگلہ دیش سے فرمایا کہ بنگلہ دیش میں جامعہ احمدیہ شروع کریں۔

جامعہ شروع کرنے کی غرض سے Master plan بنانے کے لئے سب سے پہلے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ وہ Plan حضور انور کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ محترم نیشنل امیر صاحب 2006ء میں جلسہ سالانہ یُوکے پر گئے تو حضور انورؒ نے جامعہ بنانے کا Plan منظور فرمایا اور تفصیلی ہدایات دیں۔ وہ ہدایات تحریری طور پر بعد میں پرنسپل جامعہ احمدیہ کے پاس بھی آگئیں۔

حضورؒ کی ہدایات کی تعمیل میں تمام جماعتوں میں سرکلر بھجوایا گیا کہ فلاں تاریخ کو جامعہ احمدیہ میں داخلہ کے لئے تحریری اور زبانی امتحانات ہوں گے۔ جامعہ میں داخلہ کے لئے شرائط بھی لکھی گئیں۔ ستمبر 2006ء میں جامعہ میں داخلہ کے لئے امتحانات ہوگئے۔ زبانی امتحانات بھی لئے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے 20 سے زائد طلباء نے داخلہ کے لئے امتحان میں حصہ لیا۔ جن میں سے 15 کامیاب طلباء کو حضور انورؒ کی منظوری کا انتظار کرنا تھا۔ جامعہ احمدیہ بنگلہ دیش کی تاریخ الگ سے لکھی جائے گی انشاء اللہ۔ جو طلباء 2006ء میں داخل ہوئے تھے اُن میں سے 8 طلباء 2013ء میں کامیاب ہو کر مربی و مبلغ بن کر جماعت کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر سال سات یا آٹھ طلباء جامعہ احمدیہ بنگلہ دیش سے فارغ التحصیل ہو کر مربی و مبلغ بن کر جماعت کی خدمت میں مصروف ہو رہے ہیں۔ اس طرح جون 2018ء تک کل 47 طلباء مبلغ بن چکے ہیں۔ الحمدللہ۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جامعہ احمدیہ کی عظیم الشان درس گاہ انشاء اللہ جب تک خدا تعالیٰ چاہے گا جاری رہے گی۔ خاکسار کی خوش قسمتی ہے کہ اس عظیم درس گاہ میں پرنسپل اور مدرّس کے طور پر خدمت کی توفیق ملی۔ ہر معاملہ اور ہر امر پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خاص ہدایت اور منظوری لے کر حضور انور کے بتائے ہوئے قواعد کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔ حضور انور ہر بات کی نگرانی فرماتے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ حضور انور نگرانی فرماتے ہیں۔ ورنہ ہمارے لئے یہ کام بہت مشکل ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور حضور انور کی دعاؤں سے ہی یہاں تمام کام سرانجام پا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضور انور کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضور انور کی عمر دراز فرمائے۔

اس دفعہ جب دوبارہ جامعہ شروع ہوا تو ابتدا سے ہی حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی منظوری سے خاکسار کو جامعہ احمدیہ بنگلہ دیش کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ محترم امیر صاحب کی طرف سے مجھے تقرری کا خط دیا گیا۔ خط کی نقل شامل ھٰذا کرتا ہوں۔

آفس آرڈر

حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے محترم مولانا محمد امداد الرحمٰن صدیقی صاحب مربی سلسلہ کو جامعہ احمدیہ بنگلہ دیش کے پرنسپل کے طور پر منظور فرمایا ہے۔ اس

طرح ان کو پرنسپل کے طور پر مقرر کیا جاتا ہے۔ مورخہ یکم جولائی 2006ء سے وہ اس عہدہ پر کام کریں گے۔

جب تک وہ اس عہدہ پر رہیں گے ان کو ماہانہ الاؤنس کے علاوہ بعض مالی فوائد (الگ منظوری کے بعد) ان کو مل سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس تقرری کو بابرکت فرمائے۔

دستخط

مبشر الرحمٰن

نیشنل امیر

آفس آرڈر 20(10)640/86

مؤرخہ۔ 2006/08/22

جب مجھے پرنسپل مقرر کیا گیا تب مجھے یاد آیا کہ ہمارے استاد محترم سید خادم حسین صاحب مرحوم ہمیں جامعہ احمدیہ ربوہ میں انگریزی پڑھایا کرتے تھے۔ ایک روز کلاس میں کوئی بات ہو رہی تھی۔ مَیں نے بھی کچھ کہا۔ میری بات سُن کر محترم استاد نے میرے بارہ میں کہا ”ایسے لوگ میر داؤد ہوا کرتے ہیں“۔ (حضرت سید میر داؤد صاحب ہمارے پرنسپل ہوا کرتے تھے۔) اس وقت ہم درجہ اولیٰ یا ثانیہ میں پڑھ رہے تھے۔ سید خادم حسین صاحب شیعہ فرقہ سے احمدی ہوئے تھے۔ اور ایرانی ایمبیسی میں ملازمت

کرتے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ربوہ میں دار الرحمت شرقی میں اپنے مکان میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جنت نصیب کرے۔ آمین

رمضان المبارک قادیان میں

نومبر 2006ء میں جامعہ کی پڑھائی شروع ہونے والی تھی۔ اس سے پہلے میَں فارغ تھا۔ موقع پا کر حضور انور کی اجازت سے خاکسار ماہ رمضان گزارنے کے لئے قادیان چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے غیر معمولی فضل اور رحمت سے مجھے وافر حصہ ملا۔ قادیان میں ماہ رمضان کا لطف ہی اَور ہے۔ اعتکاف کے لئے مسجد مبارک میں بہت مقدس جگہ مل گئی۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے لئے 1883ء میں مسجد مبارک کا جو حصہ تعمیر فرمایا تھا اور ابتدا میں چند صحابہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اس حصہ میں اعتکاف کے لئے جگہ مل گئی۔ الحمد للہ۔ محترم مولانا محمد انعام غوری صاحب ناظر اصلاح و ارشاد اور حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد ناظر اعلیٰ و امیر مقامی تھے۔ اس سال صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اعتکاف پر نہیں بیٹھے تھے۔ مولانا انعام غوری صاحب بیٹھے تھے۔ ان سب کی خاص مہربانی تھی کہ مجھے ایسی جگہ اعتکاف پر بیٹھنے کا موقع دیا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ نے بہت فضل فرمایا۔ وہ میری زندگی کے سب سے زیادہ پُر لطف اور بہترین ایام تھے۔ الحمد للہ۔ ہمارے بنگالی درویش بھائی عبد الرحمٰن صاحب بہت تعاون کرتے رہے۔ جزاھم اللہ۔

اپنی زندگی کی ساری باتیں تحریر کرنا میرا مقصد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں اور جماعتی کاموں میں غیر معمولی طور پر اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور بعض مواقع پر خدا تعالیٰ کے زبردست جلالی نشانات کا ذکر کرنا مقصود تھا۔ جیسے کُھلنا میں آگ لگائی گئی مگر آگ بڑھنے کی بجائے بجھ گئی۔ کُھلنا کی بیت الرحمٰن مسجد میں بم دھماکہ میں جہاں میری موت بظاہر یقینی نظر آتی تھی خدا تعالیٰ کے خاص فضل نے بچالیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خدا تعالیٰ خود سامنے آگیا اور مجھے گود میں اٹھالیا جیسے بچہ گر جائے تو ماں آکر بچہ کو گود میں اٹھالیتی ہے۔ سبحان اللہ۔ الحمدللہ

تحدیث نعمت اور اظہار تشکر کے طور پر یہ چند باتیں تحریر میں لانے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے وقت بہت تکلیف میں ہوتا ہوں۔ میری طبیعت نہایت جذباتی ہے۔ لکھتے وقت کئی دفعہ جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہوں۔

میری کتابیں

آخر میں ایک اور بات کا ذکر کرتا ہوں۔ جب اور جہاں ضرورت بلکہ اشد ضرورت معلوم ہوتی تھی کتابیں لکھتا رہا۔ جیسے (1) 1989ء کے آغاز میں جماعت کی صد سالہ جوبلی کے موقع پر چھوٹا سا کتابچہ ”صداقت مسیح موعودؑ از روئے قرآن و حدیث“ شائع ہوا۔ بعد میں اضافہ کے ساتھ 1991ء میں لندن سے شائع ہوا۔ (2) میری بڑی بیٹی کی عمر 10 سال ہوئی تو اس کو نماز سکھانا شروع کی۔ کلمات کاغذ پر لکھ کر دیتا۔ میری بیٹی یاد کرتی۔ ایک دن یاد آیا کہ مَیں تو اپنی بیٹی کو اس طرح لکھ کر دے رہا ہوں وہ یاد کر

رہی ہے۔ لیکن ہزاروں احمدی ہوں گے جو اپنے بچوں کو نماز سکھانا چاہتے ہیں۔ وہ کیا کریں؟ وہ تو میری طرح نماز لکھ کر نہیں دے سکتے۔ ان کے لئے بھی تو مجھے لکھنا چاہیئے۔ چنانچہ بچوں کو نماز سکھانے کیلیئے "اقیموا الصلوٰۃ" کے نام سے کتابچہ لکھ کر شائع کرنے کی توفیق ملی جو محترم امیر صاحب کی اجازت سے 7 جنوری 1991ء کو ڈھاکہ سے شائع ہوا۔ اس میں خاص بات یہ ہے کہ عربی کلمات بھی ہیں بنگلہ تلفظ بھی اور بنگلہ ترجمہ بھی۔ اس کتابچہ کو بہت قبولیت ملی ہے۔ الحمدللہ۔

اور بھی کتابیں لکھیں خاص طور پر ختم نبوت پر ایک کتاب بنگلہ زبان میں لکھی تھی اور امیر صاحب کو دی تھی اور اردو میں ترجمہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ حضورؒ نے اردو کتاب کا مسودہ محترم حافظ مظفر احمد صاحب کو بھجوایا تھا تاکہ حافظ صاحب ضروری اصلاحات اور تصحیحات کریں۔ محترم حافظ صاحب نے میری وہ کتاب اصلاحات کے ساتھ محترم مولانا عبد الاول خان صاحب کو بھجوائی تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا مجھے معلوم نہیں۔

ساری عمر تبلیغ کے میدان میں جو لوگ مجھے ملنے کے لئے آتے رہے اور تبلیغ کا موقع ملا ان کو خاکسار تبلیغی نوٹس پکڑا دیتا تھا۔ وفات عیسیٰؑ، ختم نبوت اور صداقت مسیح موعودؑ پر بہت مختصر نوٹس تیار کر رکھے تھے۔ جب کسی کو دینے ہوتے فوٹو کاپی کر کے دے دیتا۔ عموماً لوگ کتابیں نہیں پڑھتے۔ اس لئے نوٹس دیتا رہا ہوں۔

اس کے بعد "خلافت احمدیہ اسلامیہ" کے عنوان سے ایک کتاب تیار کی۔ دراصل یہ کتاب ربوہ میں اردو میں لکھنی شروع کی تھی۔ بالآخر بنگلہ زبان میں یہ کتاب

بہت تدبیر اور دعاؤں کے بعد حضور انور کی خاص توجہ اور اجازت سے ڈھاکہ سے2012ء میں شائع ہو گئی تھی۔ الحمد للہ۔ اس میں قرآن، حدیث، مسیح موعودؑ اور خلفائے کرام کے اقتباسات شامل کئے گئے ہیں۔ میری تحریر تھوڑی ہے۔ اقتباسات زیادہ ہیں۔ مجھے بار بار خیال آتا ہے کہ "خلیفہ خدا بناتا ہے" کے عنوان پر تقریریں بہت ہونی چاہئیں اور ہر زبان میں ہونی چاہئیں اور تقریروں کے بعد کتابچہ کی شکل میں شائع بھی ہونی چاہئیں۔

اس کتاب کے دیباچہ میں مَیں نے لکھا ہے کہ جماعت بنگلہ دیش سے میرا تعلق ہے۔ اس لئے بنگلہ دیش اور بنگلہ زبان کی خدمت کرنا مجھ پر واجب تھا۔ اور یہ لکھا کہ ہستی باری تعالیٰ کے بارہ میں لوگوں کو ضرور معلوم ہونا چاہیے۔ ہستی باری تعالیٰ کے بارہ میں ایمان حاصل کرنے کے لئے اہم ترین اور آسان ترین مضمون خلافت کا مضمون ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور نبوت کی صداقت کی سب سے بڑی اور مضبوط ترین دلیل اور ثبوت خلافت کا نظام ہے اور اس میں سب سے اہم بات ہے "خلیفہ خدا بناتا ہے"۔ اور اسلام کا غلبہ بہر حال خلافت احمدیہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس میں مَیں نے یہ بھی لکھا کہ جو لوگ اللہ کی ذات کے بارہ میں شک و شبہ رکھتے ہیں یا مانتے ہی نہیں کہ خدا موجود ہے اور وہ لوگ جو خدا کی ہستی کا ثبوت اور نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ ہماری جماعت میں داخل ہو جائیں اور خلیفۃ المسیح کی خدمت میں درخواست کریں کہ حضور! دعا کریں مَیں خدا کا نشان دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ضرور خدا کا نشان دیکھے گا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی خدا کی تلاش کرے اور اس کو خدا کا نشان نہ ملے۔

آج اس مضمون کے آخر میں بھی یہی کہتا ہوں کہ احمدیت میں ہر شخص خدا سے ذاتی تعلق بنا سکتا ہے اور خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت اور نشان دیکھ سکتا ہے۔ جو لوگ احمدیت سے باہر ہیں ان کو خدا کا نشان ملنا بہت مشکل ہے۔ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ خدا پر زندہ ایمان پیدا کرے۔ خدا کو کچھ بھی ضرورت نہیں کہ کوئی خدا پر ایمان لاتا ہے یا نہیں۔ اس لئے مَیں کہتا ہوں کہ آپ احمدیت میں اللہ کو پانے کے لئے داخل ہوں۔ اگر خدا سے تعلق پیدا کرنا مقصود نہ ہو تو احمدیت میں داخل ہونا بے فائدہ ہے۔ جو کوئی خدا سے تعلق پیدا کرنا نہیں چاہتا کیا وہ انسان ہے؟

دعوت الی اللہ ہر احمدی کا فرض ہے۔ دعوت الی اللہ سب سے زیادہ مقدس فریضہ ہے۔ تبلیغ یعنی دعوت الی اللہ خدا کی نظر میں قبولیت پانے کا آسان طریق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر احمدی کو داعیان الی اللہ میں شامل ہونے کی توفیق دے۔ اور میرا انجام بخیر ہو۔

آخر پر میری اولاد کا بھی ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

میری اولاد

جامعہ احمدیہ ربوہ میں درجہ ثانیہ کا طالب علم تھا۔ جب حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ کا واقعہ پڑھا تھا۔ انہوں نے دعا کی تھی "یا اللہ! اولاد ہو تو نیک ہو ورنہ نہ ہو"۔ اس وقت سے مَیں دعا کر رہا ہوں کہ اولاد نیک ہو۔ خادم دین ہو ورنہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی بیٹے یا بیٹی کو موقع نہ دے کہ وہ احمدیت کی بدنامی کا باعث بنے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تین بیٹے اور چار بیٹیاں عطا فرمائیں۔ الحمدللہ۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب بچے نیک ہیں۔ صاف سیدھی طبیعت کے ہیں۔ کسی کے اندر کوئی تیرگی نہیں ہے۔ حسد، کینہ، بغض وغیرہ نہیں ہے۔ سب شادی شدہ ہیں۔ صاحب اولاد ہیں ۔سب نمازی ہیں۔ حضور انور کے خطبات سنتے ہیں۔ چندہ دیتے ہیں۔ اردو سمجھتے ہیں اور بول بھی سکتے ہیں۔ جماعتی کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ پہلی بیٹی قرّۃ العین سعدیہ 4 دسمبر 1979ء کو ربوہ میں پیدا ہوئی۔ بچی منگل کی صبح کو پیدا ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ صبح 10 بجے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں پیدائش کی خوشخبری پہنچائی اور نام کے لئے درخواست کی۔ حضورؒ نے قرّۃ العین نام تجویز فرمایا۔ الحمد للہ۔ سب بچوں کے نام زمانہ کے خلفائے وقت نے تجویز فرمائے ہیں۔

پہلی اولاد کی خوشی کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ اسے پیار بھی زیادہ ملتا ہے۔ اس کے بعد بہاولپور میڈیکل کالج میں 31 جنوری 1981ء کو میجر آپریشن سے دوسری بیٹی عزیزہ عطیۃ العزیز فائزہ کی پیدائش ہوئی۔ سب ٹھیک تھا لیکن پھر بھی آخری وقت میں بچہ کی پوزیشن خراب ہوگئی اور آپریشن کرنا پڑا۔

کئی دن تک میری بیوی ہسپتال میں رہی اور نومولودہ بچی محترم حافظ عبدالحفیظ صاحب مبلغ سلسلہ فجی شہید کی والدہ صاحبہ کے پاس رہی۔ بہاولپور میڈیکل کالج کے احمدی ڈاکٹرز اور طلباء نے اور احمدی بھائیوں اور بہنوں نے ہر طرح تعاون کیا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

10 اگست 1982ء کو فضل عمر ہسپتال میں پہلے بیٹے لطف الرحمٰن طاہر کی پیدائش ہوئی۔ اس بچہ میں دلچسپ باتیں ہیں۔ اول یہ کہ 1981ء کے جلسہ سالانہ ربوہ کے ایک

خطاب میں حضرت خلیفۃالمسیح الثالثؒ نے توحید پر بات کرتے ہوئے فرمایا''تم اگر توحید پر قائم ہو پھر بیٹا کیوں مانگتے ہو۔'' خاکسار جلسہ گاہ میں بیٹھا جلسہ سن رہا تھا۔ اسی وقت ارادہ کیا کہ بیٹے کے لئے کبھی دعا نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹی بیٹا جو بھی آئے وہی ٹھیک ہے۔ ساتھ ہی اُسی وقت دل میں آیا کہ شاید اس دفعہ اللہ تعالیٰ بیٹا دے گا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں پہلا بیٹا دیا۔ الحمد للہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ 10 اگست 1982ء کو صبح 6 بجے جس وقت میرا یہ بیٹا پیدا ہوا اسی وقت بنگلہ دیش میں میرے بیٹے کے نانا جان محترم مولانا محب اللہ صاحب مبلغ سلسلہ کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات کے بارہ میں ہمیں بعد میں معلوم ہوا تھا۔ وقت ملا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ محترم مولانا موصوف کی وفات اور میرے بیٹے کی پیدائش کا وقت اور تاریخ ایک ہی تھی۔ پہلے ہماری دو بیٹیاں تھیں اس لئے نانا اور نانی بہت دعائیں کرتے تھے۔ مجھے اور میری بیوی کو اس بارہ میں کوئی فکر نہ تھا۔ ہمارا یہ بیٹا لطف الرحمٰن M.sc کرنے کے بعد وقف کر کے نصرت جہاں سکیم کے تحت سیرالیون میں لُونگی کے مقام پر بطور ٹیچر خدمت کر رہا ہے۔

دوسرا بیٹا انعام الرحمٰن ناصر 10 مارچ 1984ء کو فاطمہ میڈیکل ہسپتال فیصل آباد میں پیدا ہوا۔ اس کی پیدائش سے پہلے معاملہ پیچیدہ ہو گیا تھا۔ اس لئے اچھے عیسائی ہسپتال فاطمہ میڈیکل ہسپتال میں جانا مناسب خیال کیا گیا تھا۔ بچہ کی پیدائش سے پہلے ڈاکٹر صاحبان نے کہا زچہ بچہ دونوں کو بچانا مشکل ہے۔ کسی ایک کی موت ہو سکتی ہے۔

خاکسار نے بہت دعا کی۔ دعا کے لئے خدا کے حضور کچھ نذرانہ پیش کرنا ہوتا ہے۔ خاکسار نے دعا کی کہ اس بچہ سے لے کر آئندہ ہر سال ہر بچہ کے لئے سالانہ /-100 روپیہ وقف جدید اور تحریک جدید دونوں ملا کر ادا کرتے رہیں گے۔

اس زمانہ میں ہمارے لئے یہ بڑی رقم تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب بچوں کے لئے ہر سال /-100 روپے ادا کرتے رہے۔ حالانکہ -/12، -/16، /18 روپے کافی ہو سکتے تھے۔ الحمدللہ یہ بیٹا انعام الرحمٰن ناصر زندگی وقف کر کے جامعہ احمدیہ کینیڈا سے تعلیم حاصل کر کے کینیڈا میں اب بطور مربی سلسلہ کام کر رہا ہے۔

اس کے بعد تیسری بیٹی ھبۃ الودود 20 دسمبر 1986ء کو فضل عمر ہسپتال ربوہ میں پیدا ہوئی۔ پیدائش کے بعد بہت خطرناک صورت پیدا ہو گئی تھی۔ خدا کے فضل سے میری بیوی کو نئی زندگی ملی۔ ورنہ موت کے قریب پہنچ چکی تھی۔ فوری طور پر فیصل آباد کے بڑے ہسپتال لے جایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آہستہ آہستہ صحت ہو گئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 1987ء میں وقف نو کی تحریک فرمائی۔ اعلان سنتے ہی فوری طور پر ربوہ سے حضور کی خدمت میں بذریعہ ڈاک درخواست بھجوادی تھی کہ اگر آئندہ کوئی اولاد ہو تو وہ وقف نو میں ہو گی۔ حضور سے منظوری کی درخواست ہے۔ چنانچہ وقف نو کا رجسٹریشن نمبر C-21 مل گیا۔ بنگلہ دیش میں آنے کے بعد خدا تعالیٰ کے خاص فضل سے 24 دسمبر 1989ء کو واقفہ نو بیٹی عزیزہ بریرہ نصرت کُھلنا میں پیدا ہوئی۔ الحمدللہ۔

اس کے بعد 14 ستمبر 1992ء کو تیسرے بیٹے عزیزم نوید الرحمٰن کی چٹاگنگ میں پیدائش ہوئی۔ الحمدللہ۔ یہ بیٹا بھی شروع سے وقف نو تھا۔ یہاں ایک لطیفہ کا بیان کرنا خالی از دلچسپی نہیں ہوگا۔ اس تیسرے بیٹے کی پیدائش کے بارہ میں جب علم ہوا کہ آنے والا ہے۔ تب حضور کی خدمت میں لکھا کہ حضور ہماری کوشش رہی ہے کہ اَور کوئی بچہ یا بچی نہ آئے۔ پھر بھی ایک بچہ آنے والا ہے۔ حضور انور نے جواب میں لکھا کہ "آپ اولاد نہ ہونے کیلئے کیا کوشش کرتے ہیں ہمیں لکھیں تاکہ ہم وہ نسخہ ان کو لکھ دیں جن کی اولاد نہیں ہوتی۔"

یہ بات سب والدین کو معلوم ہے کہ بچوں کی پیدائش اوران کی دیکھ بھال، تعلیم وتربیت بڑا مشکل کام ہے خاص طور پر اگر امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق بچوں کی تعلیم وتربیت کرنی ہو ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کے بغیر ممکن نہیں۔ ہمیں بھی بہت تکلیفیں ہوتی رہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں آبادی زیادہ ہوگئی ہے۔ اور خوراک کی کمی ہے۔ حالانکہ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے۔ اور دنیا میں آبادی زیادہ ہے مگر نافع الناس انسانوں کی بہت کمی ہے۔ آج عبادت گزار انسانوں کی اشد ضرورت ہے۔ ہمیں تسلی اوراطمینان ہے کہ ہمارے بچے دنیا کے لئے نافع الناس وجود ہوں گے۔ انشاءاللہ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب بچے اپنی اپنی توفیق خدمت دین اور انسانیت کے حق میں مفید ثابت ہوں گے۔ انشاءاللہ۔ اگر والدین اوران کے بعد بچے عبادت گزار ہوں اور حضرت امام الزمان سے محبت کا تعلق ہو تو بچے خادم دین ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔

سب بچے اپنے اپنے گھروں میں خوش باش ہیں۔ چاروں بیٹیاں اپنے گھروں میں مثالی کردار ادا کر رہی ہیں۔ ان کے گھر میں ان کے والدین اور سب عزیز و اقارب ان سے بہت خوش ہیں اور تعریفیں کرتے ہیں۔ بچوں کے حق میں ہم وہی دعائیں کرتے رہے اور کر رہے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ حضور علیہ السلام کی دعائیں عند اللہ قبولیت کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس سے اچھی دعائیں اور کیا ہو سکتی ہیں۔ درثمین میں محمود کی آمین میں سے دعائیہ چند اشعار یاد رکھنا کیا مشکل ہے!

چھوٹا بیٹا نوید الرحمٰن واقف زندگی جامعہ احمدیہ بنگلہ دیش سے کامیابی کی سند حاصل کرنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی منظوری سے جامعہ احمدیہ میں بطور استاد خدمت کر رہا ہے۔ الحمدللہ۔

سب بچے بچیاں میرے ساتھ بے تکلف ہیں۔ ہر بات میں وہ ہمیں شریک کرتے ہیں۔ ہم بھی ہمیشہ ان کو ہر بات میں شریک کرتے ہیں۔ ان کی شادیوں کے وقت بھی ہر بات میں ہم تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ یہ زمانہ حضرت مسیح موعودؑ کا ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے جو تعلیم دی ہے اسی میں برکت ہے۔ کسی کے لئے بھی مناسب نہیں کہ کوئی بات بچے یا بیٹیوں پر ٹھونس دیں۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کا ہر طرح فضل و رحمت ہے۔ خدا کے فضل سے سب بیٹے بیٹیاں نظام وصیت میں شامل ہیں۔ میرا وصیت نمبر 20069 اور میری اہلیہ صاحبہ کا وصیت نمبر 24006 ہے۔ الحمدللہ۔

چاروں بیٹیوں نے وقت سے پہلے اپنی خوشی سے اپنے شوق سے پردہ یعنی برقعہ پہننا شروع کر دیا تھا۔ اور اب بھی پہنتی ہیں۔ الحمدللہ۔ بڑی بیٹی عزیزہ قرۃ العین

نے شادی کے بعد سسرال میں گھر کے کام کاج کرتے ہوئے اپنے گود میں بچے لے کر بی اے پھر ایم اے پاس کیا ہے۔ اس کا شوہر فرید نظام ولد ابوالقاسم میرپور ڈھاکہ کا رہنے والا ہے۔

دوسری بیٹی عزیزہ عطیۃالعزیز فائزہ نے انٹر میڈیٹ کے بعد ہومیو پیتھی کورس کیا ہے۔ اس کے بعد مولانا محمد اکرام الاسلام مربی سلسلہ کے ساتھ شادی ہو گئی۔

تیسری بیٹی ھبۃالودود کی شادی عزیزم منور حسین ابن پناہ اللہ مرحوم میرپور سے ہو ئی ہے۔شادی کے بعد سسرال میں ساس صاحبہ اور سسر صاحب کی خدمت اور گھر کے کام کاج کرتے ہوئے گود میں بچیاں لے کر B.scاور M.sc پاس کیا اور ریاضی میں M.sc میں فرسٹ کلاس حاصل کی۔

سب سے چھوٹی بیٹی بریرہ نصرت راضیہ کی شادی عزیزم میزان الحق شاہین ابن مکرم مزمل حق انصاری کمار خالی ضلع کوشٹیا سے ہوئی ہے۔شادی کے بعد انگریزی میں B.A HONS پاس کیا۔ الحمدللہ۔

میری اولاد کو میری نصیحتیں اور وصیتیں

ہم بچوں کو نصیحت کرتے رہے ہیں اور اب یہاں بھی لکھ دیتے ہیں۔

1۔ میرے بچوں کو چاہیئے کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی کتاب کم از کم کشتی نوح (ہماری تعلیم والا حصہ) اور رسالہ الوصیت ضرور پڑھا کریں۔ اس میں نظام وصیت کے علاوہ اور بہت سی باتیں ہیں۔ اور دوسری کتابیں جہاں تک ہو سکے پڑھیں۔

2۔ کبھی کسی کے خلاف اپنے دل میں کسی بات کو جگہ نہ دیں۔ کسی کو دشمن نہ سمجھیں۔

3۔جمعہ پر ضرور جایا کرو۔

4۔ حضورانور کے خطبات ضرور سنتے رہو۔

5۔خدا تعالیٰ پر ایمان رکھو۔ صبر سے خدا پر توکل کرتے رہو۔ کبھی خدا کے فضل سے ناامید مت ہو۔ مشکل کے وقت یقین رکھو کہ ضرور خدا کی مدد آئے گی۔ ضرور آئے گی۔ کوئی بھی مشکل ہو خدا سے مدد مانگو۔

6۔ نمازوں میں غافل نہ ہو۔ نماز ہر نقصان اور ہر درد کا علاج ہے۔

7۔زمانہ کے امام خلیفہ وقت کو خط لکھتے رہا کرو۔

8۔ نظام جماعت اور امیر صاحب کی ضرور اطاعت کرتے رہو۔ خدا کا فضل ہو تو سب آسان ہو جاتا ہے۔خدا کے فضل کی تلاش میں لگے رہو۔

9۔ اپنی والدہ کا خیال رکھنا۔ ہمیشہ آپس میں اپنے بھائی بہنوں سے تعلق کو قائم رکھنا۔ قربانی کر کے بھی تعلقات کو قائم رکھنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

10۔اپنی اولاد کی تربیت کیلئے مسلسل خدا سے دعائیں کرتے رہو۔

خدا حافظ